تعلیم و تربیت





چندا جیپسر۔ شیخوپورہ



ہما انور ، مونا انور۔ لیبیا



نورین زوار۔ لدھے والا وڑائچ



راشد علی۔ کراچی



شاہد رفیق۔ ضلع گجرات



آصفہ جاوید۔ لاہور



لطیف حیدر۔ سانگھڑ



شاہد علیم۔ لاہور



طارق صدّیقی۔ بھارت



محمد شفیق۔ قصور



ذیشان امیر۔ لاہور



مقصود احمد



عبدالرؤف عبّاسی۔ کراچی



کرامت علی۔ کراچی



محمدؐ احمد۔ لاہور

مطبوعہ فیر

باہتمام عبد

فروری
1980ء

انتالیسواں سال
گیارھواں مہینا



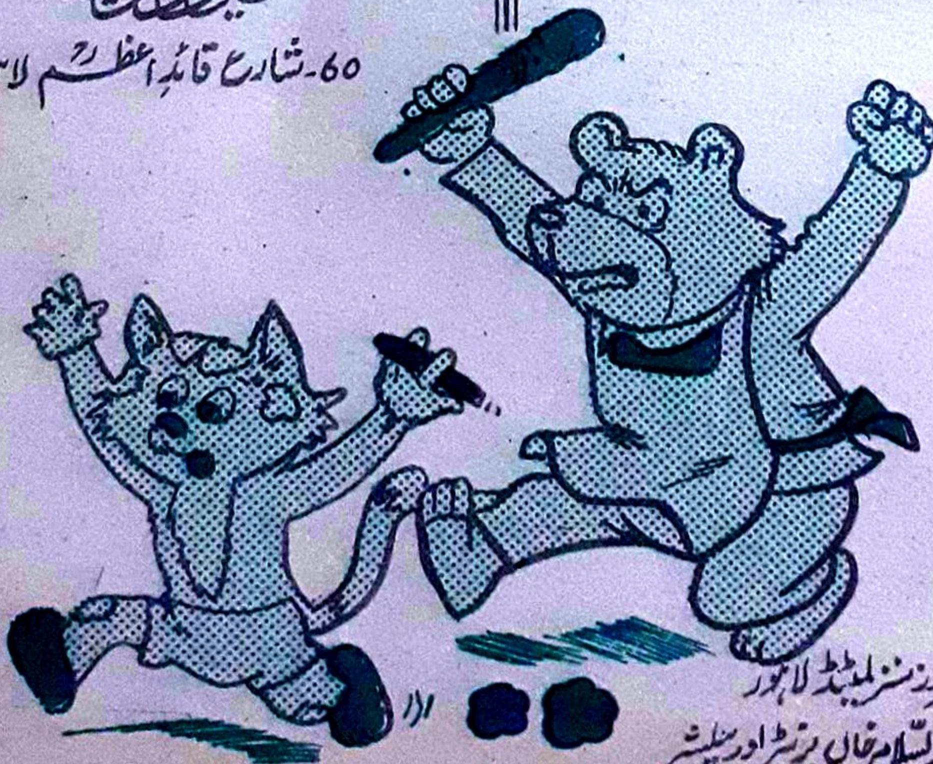
ماہنامہ
لاہور




مدیرِ اعلیٰ
عبدالحمید خان

قیمت سالانہ : 28.00
ایک پرچہ : 2.50

یکے از مطبوعات
فیروز سنز لمیٹڈ
60۔شارع قائدِ اعظم لاہور



مطبوعہ فیروز سنز لمیٹڈ لاہور
باہتمام عبدالسلام خاں پرنٹر اور پبلشر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رسول اللہؐ نے فرمایا

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مومن، مومن کے لیے اُس عمارت کی طرح ہے جس کا ہر حصّہ دوسرے کو مضبوط بناتا ہے۔

حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو مسلمان اپنے بھائی کی عزت کی حفاظت کرتا ہے، اللہ تعالےٰ پر اس کا یہ حق بن جاتا ہے کہ قیامت کے دن اُسے جہنم کی آگ سے بچائے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی قسم، جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، انسان مومن نہیں ہوسکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن، مومن کا آئینہ ہے اور مومن، مومن کا بھائی ہے۔ وہ اسے نقصان دینے والی چیز سے بچاتا ہے اور غیر حاضری میں اس کی حفاظت کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کامل مومن وہ ہے جو خوش اخلاق اور گھر والوں سے اچھا سلوک کرنے والا ہو۔



لیجیے اس ماہ کا پرچہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ پڑھ کر اپنی رائے بھیجیے۔ ضروری نہیں کہ آپ تعریف ہی کیا کریں ——— اگر کچھ خامیاں محسوس ہوں تو ان کی ضرور نشان دہی کریں۔

بعض بچوں نے اپنی تصویریں نہ چھپنے کی شکایت کی ہے۔ اس بارے میں عرض ہے کہ آپ کی جو بھی تصویریں ہمیں ملتی ہیں، باری آنے پر انھیں شائع کر دیا جاتا ہے۔ ہم نے کئی بار بتایا ہے کہ تصویر پاسپورٹ سائز، بجلی سے کھنچی ہوئی اور صاف ہونا چاہیے۔ گروپ فوٹو، رنگین اور مدھم ٹیڑھی میڑھی یا ایسی تصویریں جن پر مہریں لگی ہوں یا کچھ لکھا ہوا ہو، شائع نہیں کی جا سکتیں۔ نام اور شہر کا نام تصویر کی پشت پر صاف صاف لکھیے۔ یہ بھی ذہن میں رکھیے کہ تعلیم و تربیت میں چودہ برس تک کے بچوں کی تصویریں شائع کی جاتی ہیں۔ اگر آپ ان باتوں کا دھیان رکھیں گے تو آپ کی تصویر باری پر ضرور شائع ہو جائے گی۔

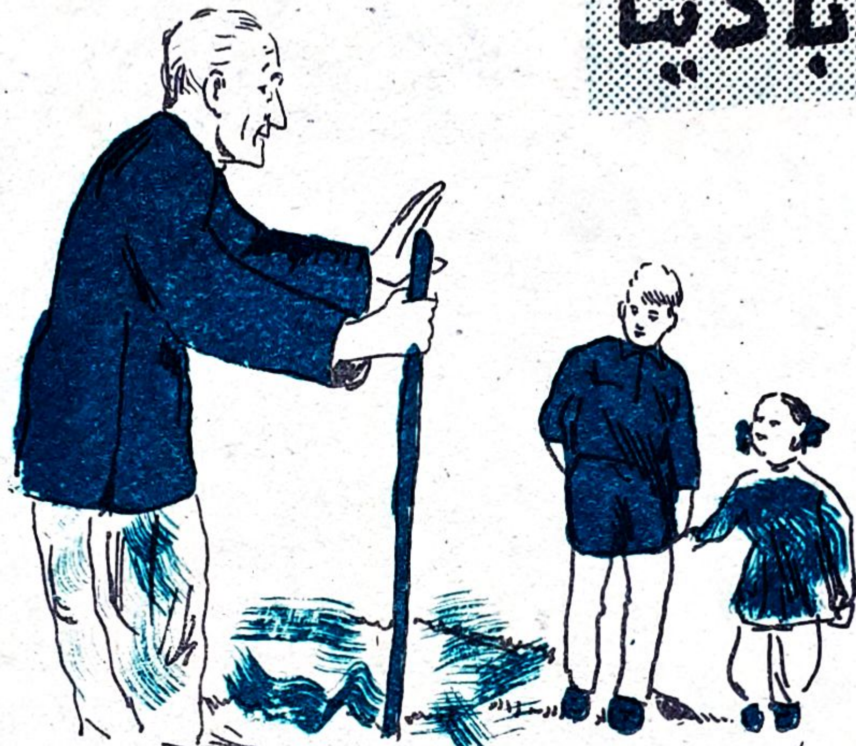
اس ماہ بچوں نے انعامی مقابلے میں بہت جوش و خروش سے حصہ لیا ہے۔ بے شمار مضمون بھیجے ہیں اور اکثر بچوں کا تقاضا ہے کہ اگلے ماہ کے لیے بھی اسی عنوان کو جاری رکھا جائے۔ ٹھیک ہے، اگلے مہینے بھی انعامی مقابلے کا عنوان یہی یعنی "مجھے سخت شکایت ہے" رہے گا۔ اب تو آپ خوش ہیں؟

اس مہینے موصول ہونے والے مضمونوں میں ہمیں عدیلہ رزاق، سیالکوٹ کا مضمون سب سے اچھا لگا۔ انھیں انعام بھیجا جا رہا ہے۔

رشید اکبر

بابا دینا

رفیق احمد خاں



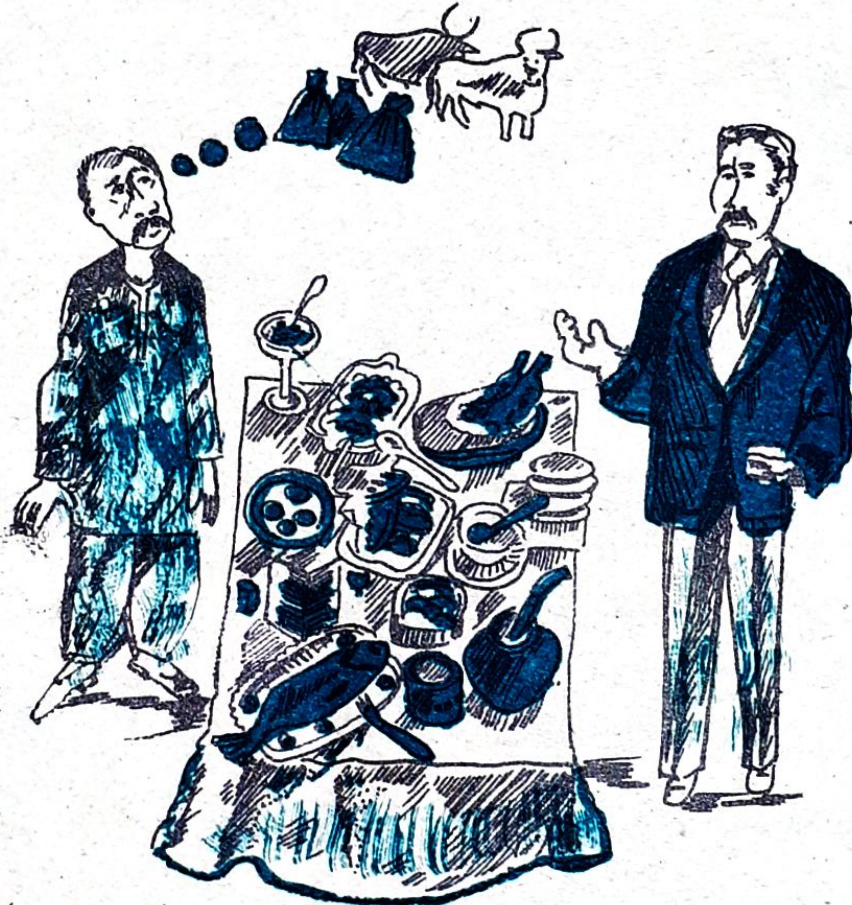
دیکھو آیا بابا دینا
پاتا ہے وہ ٹکا مہینا
ڈاڑھی لمبی سر ہے چھوٹا
ٹانگیں پتلی پیٹ ہے موٹا
آنکھیں چھوٹی ناک پکوڑا
سر سے گنجا، ماتھا چوڑا

پھرتا ہے وہ باہر اندر
چال سے وہ لگتا ہے قلندر
کھانستا ہے وہ کر کے کھوں کھوں
بات سُنے تو بولے ہُوں ہُوں
کرتا ہے جب تُو تُو مَیں مَیں
سب کہتے ہیں بابا ہَیں ہَیں

ہوش میں آؤ تھوڑا بولو
یُونہی اپنا مُنھ مت کھولو

محمدّ یُونس حسرت

سونے کے سکّے



نواب صاحب جتنے امیر تھے، اُتنے ہی مغرور تھے۔ وہ غریب لوگوں کو اپنے قریب کبھی نہ پھٹکنے دیتے تھے۔ اُنھیں اُن کے پسینے میں نہائے ہوئے بدنوں سے بُو آتی تھی۔ اِسی لیے انھوں نے اپنے نوکروں کو حُکم دے رکھا تھا کہ کوئی غریب کسان یا مزدور وغیرہ ان کے پاس نہ آنے پائے۔

ایک روز چند کسان ایک جگہ بیٹھے نواب صاحب کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔

ایک نے کہا "کل میں نے نواب صاحب کو کھیتوں میں دیکھا تھا"

دُوسرا بولا "کل میں اپنے کھیت سے گھر کو جا رہا تھا تو نواب صاحب اپنی حویلی کے چھجّے پر کھڑے چائے پی رہے تھے۔"

اتنے میں ایک اور کسان وہاں آگیا۔ وہ گاؤں کا سب سے غریب کسان تھا۔ اس نے ان کی باتیں سُنیں تو ہنس دیا "تم نے واقعی بڑا تیر مارا ہے کہ نواب صاحب کو قریب سے اور حویلی کے چھجّے پر کھڑے چائے پیتے دیکھ چکے ہو، لیکن میں اگر چاہُوں تو اُن کے ساتھ کھانا بھی کھا سکتا ہُوں۔"

"یہ تمھارا خیال ہے" دُوسرے کسانوں نے کہا "جیسے ہی اُن کی نظر تم پہ پڑے گی، وہ تمھیں اپنے نوکروں سے اُٹھوا کر باہر پھنکوا دیں گے اور تم یہ شیخیاں بگھارنا بھول جاؤ گے۔"

"شیخی نہیں بگھارتا، میں واقعی نواب صاحب کے ساتھ کھانا کھا سکتا ہُوں اگر تمھیں اعتبار نہیں تو آزما لو۔"

"بہت اچھّا! اگر تم نواب صاحب کے ساتھ کھانا کھا لو تو ہم تمھیں تین بوریاں گندم اور دو بیل دیں گے، لیکن اگر تم ایسا نہ کر سکے تو ہم تمھیں جو حکم دیں گے وہ تمھیں ماننا پڑے گا۔"

"منظور ہے" غریب کسان نے کہا "مجھے منظور ہے!"

اگلے دن وہ کسان نواب صاحب کی حویلی کی طرف چل دیا مگر جیسے ہی ان کے نوکروں نے اُسے دیکھا، وہ اسے بھگانے کے لیے دوڑے۔ غریب کسان نے ہاتھ اُٹھا کر کہا:

"ٹھہرو! میں نواب صاحب کے لیے ایک خوش خبری لے کر آیا ہُوں۔"

"کیا خوش خبری ہے؟"

"میں نواب صاحب کے سوا اور کسی کو نہیں بتا سکتا۔"

نوکر بھاگے بھاگے نواب صاحب کے پاس گئے اور سارا ماجرا

بیان کیا۔ نواب صاحب یہ جان کر حیران ہوئے کہ ایک غریب کسان اُن سے کچھ مانگنے نہیں آیا بلکہ انھیں خوش خبری سُنانے آیا ہے جس سے انھیں فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ انھوں نے نوکروں کو حکم دیا کہ وہ اس کسان کو اُن کے پاس لے آئیں۔

نوکروں نے غریب کسان کو حویلی کے دروازے تک آنے دیا۔
نواب صاحب بھی حویلی کے دروازے پر آگئے اور کسان سے کہنے لگے

"تم میرے لیے کیا خوش خبری لائے ہو؟"

غریب کسان نے اِرد گرد کھڑے ہوئے نوکروں کی طرف دیکھا اور بولا:

"حضور! ایک راز کی بات ہے جو میں دُوسروں کی موجودگی میں نہیں بتا سکتا۔"




نواب صاحب کی حیرانی اور دل چسپی بڑھ گئی۔ انھوں نے نوکروں کو وہاں سے چلے جانے کا حکم دیا اور جب دونوں وہاں اکیلے رہ گئے تو غریب کسان نے بڑے ادب سے کہا:

"جناب! کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ ایک بوری میں سونے کے جتنے سکے سما سکیں اُن کی کیا قیمت ہوگی؟"

نواب صاحب کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک پیدا ہوئی، وہ

سوچنے لگے : یہ کسان یُوں ہی یہ بات پُوچھنے نہیں آگیا۔ یقیناً اِسے اپنی زمین میں کوئی گڑا خزانہ مل گیا ہے۔

"تم یہ کیوں جاننا چاہتے ہو ؟" انھوں نے کسان سے پُوچھا۔

کسان نے ان کی طرف دیکھ کر سر جُھکا لیا اور بولا " بس میں آپ سے یہی پُوچھنا چاہتا ہُوں ، اگر آپ بتا دیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔ باقی باتیں پھر ہوتی رہیں گی ۔ ابھی مجھے جلدی ہے۔ میں نے گھر جاکر کھانا کھانا ہے اور پھر کھیتوں پر جانا ہے۔"

نواب صاحب اپنے غرور اور تکبّر کے بارے میں سب کچھ بھول گئے ۔ اور سوچنے لگے کہ کسی طرح اس غریب اور سیدھے سادے کسان کو بے وقوف بناکر خزانہ ہتھیالیں۔ کہنے لگے :

" سنو ! اگر تمھیں بھوک لگی ہے تو اس کے لیے گھر جانے کی ضرورت نہیں۔ تم میرے ساتھ کھانا کھا سکتے ہو۔"

یہ کہہ کر انھوں نے جلدی سے اپنے اور کسان کے لیے دسترخوان بچھانے کا حکم دیا۔ نوکروں نے فوراً ان کے حکم کی تعمیل کی ، اور قسم قسم کے کھانے دسترخوان پر سجا دیے۔ جنھیں دیکھ کر ہی مُنھ میں پانی آتا تھا۔

" لو ! خُوب پیٹ بھر کر کھاؤ۔ شرمانے اور گھبرانے کی ضرُورت نہیں " نواب صاحب نے کسان سے کہا۔

غریب کسان نے پیٹ بھر کر دسترخوان پر سجے ہوئے کھانے کھائے۔ زندگی بھر اس نے ایسے کھانوں کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ نواب صاحب خزانے کے لالچ میں کہہ کہہ کر اسے ایک کے بعد دُوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا کھانا کھلاتے رہے۔

جب کسان بالکل سیر ہوگیا اور اس کے پیٹ میں اور گُنجائش نہ رہی تو وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور جانے کی اجازت طلب کی۔ نواب صاحب

نے جلدی سے کہا :

"تم کھانا تو کھا چکے ہو۔ شاباش! اب جلدی سے کھیت پر جاؤ۔ سونے کے سکّوں سے بھری ہوئی وہ بوری لے آؤ جو تمھیں کھیتوں میں سے ملی ہے۔ تمھارے وہ کسی کام کی نہیں لیکن میرے بہت کام آ سکتی ہے۔ میں تمھیں اس کے لیے ایک سو روپیہ انعام میں دوں گا۔"

"مگر جناب! میں وہ سونے کے سکّوں کی بوری آپ کے پاس نہیں لا سکتا۔" کسان نے کہا۔



"کیوں؟ کیا وہ بہت بھاری ہے؟ چلو میں اپنا نوکر تمھارے ساتھ بھیجتا ہوں وہ اس بوری کو میری گھوڑا گاڑی میں ڈال کر لے آئے گا۔"

"نہیں جناب!" کسان نے کہا" وہ سونے کی بوری نہ میں لا سکتا ہوں اور نہ آپ کا نوکر لا سکتا ہے اور نہ آپ کی گھوڑا گاڑی لا سکتی ہے......"

"اچھا! تو کیا وہ بہت ہی بھاری ہے؟" نواب صاحب نے خوش ہو کر کہا "کوئی بات نہیں۔ میں کچھ اور نوکر اور دو گھوڑا گاڑیاں بھیج دیتا ہوں۔ پہلے میں نے تم سے ایک سو روپیہ دینے کا وعدہ کیا تھا لیکن اب ہزار روپیہ دوں گا۔ بس تم سونے کی وہ بوری یہاں لے آؤ۔"

"میں ایسا نہیں کر سکتا جناب!" کسان نے کہا۔

"کیوں نہیں کر سکتے" نواب صاحب نے بے صبری سے پوچھا "آخر وجہ کیا ہے؟"

"وجہ یہ ہے جناب!" کسان نے کہا "میرے پاس سونے کے سکّوں سے بھری ہوئی کوئی بوری نہیں ہے۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" نواب صاحب حیرانی سے چلّائے "تمہارے پاس وہ بوری تھی ہی نہیں تو تم اس کی قیمت پوچھنے کے لیے یہاں کیوں آئے؟"

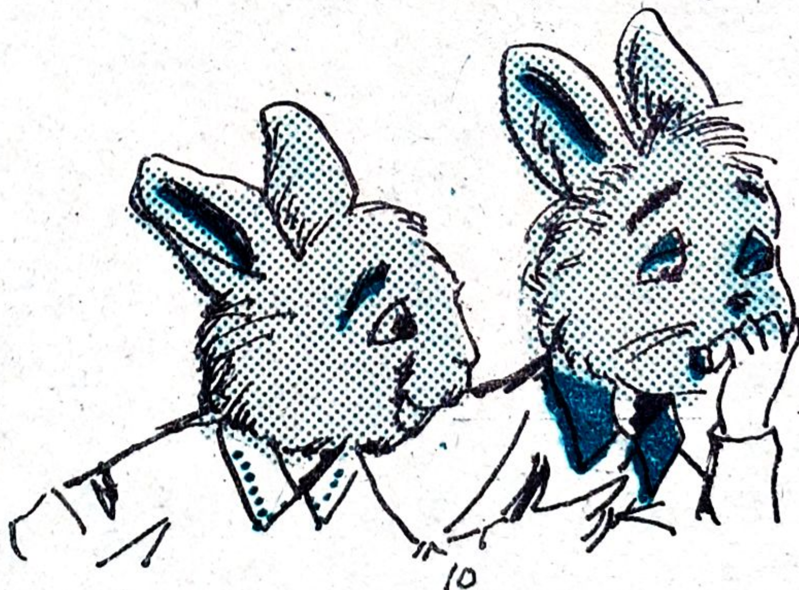
"یوں ہی جناب!"

نواب صاحب غصّے سے لال ہو گئے اور زمین پر پیر پٹختے ہوئے گرجے۔

"نکل جاؤ بے وقوف احمق کہیں کے!"

"میں چلا جاتا ہوں جناب!" کسان نے کہا "لیکن یہ سن لیجیے کہ میں نہ احمق ہوں اور نہ بے وقوف ہوں۔ آپ کی دعوت کا شکریہ ادا کرنا میرا فرض ہے کیوں کہ آپ کی اس دعوت کی وجہ سے میں نے تین بوریاں گندم اور دو بیل جیت لیے ہیں۔"

یہ کہتے ہوئے وہ نواب صاحب کو سلام کر کے باہر چلا گیا، اور نواب صاحب اپنی جگہ کھڑے غصّے سے تلملاتے رہ گئے۔

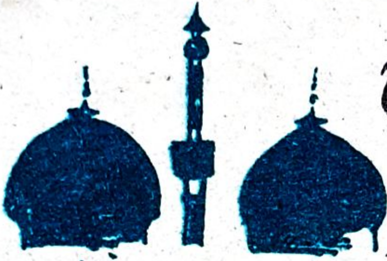


نظر زیدی

امین الامت

حضرت ابو عبیدہ بن الجراح

رضی اللہ تعالیٰ عنہ



عشرہ مبشرہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اُن دس صحابہ کرامؓ کو کہا جاتا ہے جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اُن کی زندگی میں ہی جنت کی خوش خبری دے دی تھی۔ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان ہی صحابہ کرامؓ میں سے تھے۔

آپ کا نام عامر اور کُنیت ابو عبیدہ ہے۔ کُنیت اُس عرف یا نام کو کہتے ہیں جو کسی بیٹے یا بیٹی کی وجہ سے مشہور ہو جائے۔ جیسے ہمارے ہاں عام طور پر کہہ دیا جاتا ہے سلیمان کا باپ، عاصمہ کی امّی وغیرہ۔ عرب میں لوگوں کو اس طرح پُکارنے کا عام رواج تھا۔ اسی طرح یہ رواج بھی تھا کہ لوگوں کے ناموں کے ساتھ اُن کے کسی بزرگ یعنی باپ، ماں، یا دادا وغیرہ کا نام لیا جاتا تھا، چنانچہ آپؓ کے نام کے ساتھ بھی آپ کے دادا الجراح کا نام لیا جاتا ہے۔ عربی زبان میں لفظ بن کا مطلب بیٹا ہے۔

آپ کا خاندان مکّے میں بہت معزز سمجھا جاتا تھا۔ نسب نامہ یہ ہے: عامر بن عبداللہ بن الجراح بن بلال اھیب بن عتبہ بن الحارث بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ بن خزیمہ۔

آپؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اس اعلان کے فوراً بعد مسلمان ہو گئے تھے کہ میں اللہ کا آخری رسول ہوں اور ساری دنیا کو سیدھا راستہ دکھانے کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ آپ سے پہلے صرف آٹھ صحابی مسلمان ہوئے تھے یعنی مسلمان ہونے والوں میں آپ کا نمبر نواں ہے۔

حضرت رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے آپ کو امینُ الاُمّت کا خطاب دیا تھا۔ مشہور صحابی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا "ہر اُمّت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس اُمّت کے امین ابُوعبیدہؓ ہیں۔"

امین اُس شخص کو کہا جاتا ہے جس پر ہر معاملے میں پُورا پُورا بھروسہ کیا جا سکے۔ اور یہ شک بھی نہ ہو کہ یہ کسی کا حق دبا لے گا۔ عرب کے لوگ خود ہمارے آقا اور اللہ کے آخری رسُول حضرت محمّد رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو صادق اور امین کہا کرتے تھے۔

حضرت ابُوعبیدہؓ بن الجراح بہُت جی دار اور بہادُر تھے۔ حضرت رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے زمانے میں کافروں سے جتنی جنگیں ہُوئیں آپ اُن سب میں شامل ہُوئے اور خُوب خُوب بہادُری کے جوہر دکھائے۔

جنگِ اُحد میں ایک موقعے پر حضرت رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی مُبارک پیشانی میں خود یعنی سر کا بچاؤ کرنے والی لوہے کی ٹوپی کی کڑیاں گھُس گئیں، تو آپ نے ان کڑیوں کو اپنے دانتوں سے پکڑ کر کھینچا اور ایسے کرتے ہوئے آپ کے دو دانت ٹُوٹ گئے۔

دانت ٹُوٹنے کے بعد عام طور پر آدمی کا چہرہ بدنُما ہو جاتا ہے، لیکن بیان کیا جاتا ہے آپ پہلے سے زیادہ خُوب صُورت نظر آیا کرتے تھے۔

حضرت ابُوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالےٰ عنہ اُن نامور مُسلمان سپہ سالاروں میں سے ہیں جنھوں نے بہُت سے نئے مُلک فتح کر کے اسلامی سلطنت کی حدوں کو دُور دُور تک پھیلا دیا۔ عراق، شام اور فلسطین کے مُلک آپ ہی نے فتح کیے تھے۔

رسُولِ مقبُول صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی رحلت کے بعد، حضرت ابُوبکر صدّیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے عراق اور شام فتح کرنے کے لیے اسلامی لشکر روانہ کیے تو عراق کی طرف بھیجے جانے والے لشکر کا سالار آپ کو بنایا اور آپ نے بہت سا علاقہ فتح کیا۔ اس کے بعد حضرت عُمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے آپ کو حضرت خالد

بن ولید رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی جگہ شام کے لشکر کا سالار بھی مقرّر کر دیا۔

جنگی سُوجھ بُوجھ اور بہادُری کے علاوہ آپ بُہت زیادہ نیک اور سادگی پسند تھے۔ اپنے مذہب کی تمام باتوں پر بُہت پابندی سے عمل کرتے تھے اور ہر بات میں اللہ اور اُس کے رسُول صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کو خُوش کرنے کا خیال رکھتے تھے۔ آپ اُن مہاجرین میں شامل تھے جو حضرت رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کے حُکم سے اپنا گھر بار چھوڑ کر مُلک حبشہ گئے تھے۔ اس کے بعد آپ نے دوسری بار اس وقت ہجرت کی جب رسُول مقبول صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم اور آپ کے ساتھی اللہ پاک کے حُکم سے مکّہ چھوڑ کر مدینہ میں آباد ہُوئے۔

مدینہ آنے کے بعد حضرت رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم نے حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو آپ کا دینی بھائی بنایا تھا۔ اس طرح ایک ایک انصاری اور ایک ایک مہاجر کو دینی بھائی بنانے کو اسلامی تاریخ میں سلسلۂ مواخات کہا جاتا ہے۔

حضرت ابُو عبیدہ ابن الجراح رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے مرتبے کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ خلیفہ اوّل حضرت ابُو بکر صدّیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کے وصال پر بنی ساعدہ کے خیمے میں انصار صحابہ کرام رضؓ کو جن دو حضرات کی بیعت کے لیے کہا تھا وہ حضرت عمر رضؓ اور حضرت ابو عبیدہ رضؓ تھے۔

اسی طرح جب حضرت عُمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے اُن کی شہادت سے پہلے صحابۂ کرام رضؓ نے جانشین مقرّر فرما دینے کے لیے کہا تو اُنھوں نے فرمایا کہ اگر ابو عبیدہ رضؓ زندہ ہوتے تو میں اُنھیں اپنے بعد خلیفہ نامزد کرتا۔

آپ کثرت سے خُدا کی عبادت کرتے تھے بہت سادہ زندگی گزارتے تھے، ایک بار حضرت فاروق اعظم رضؓ نے آپ کا معمولی سامان دیکھ کر فرمایا کہ آپ ضرورت کی چیزیں تو رکھا کریں۔

آپ کا انتقال ۱۸ھ میں فلسطین کے علاقے عمواس میں فحل کے مقام پر طاعُون کی بیماری سے ہوا۔ وفات کے وقت، اکثر روایات کے مُطابق، آپ کی عُمر اٹھاون سال تھی۔

تین پہیلیاں

شام درانی ۔ ابوظہبی



1

چلتی پھرتی ہے وہ لیکن پھر بھی ہے بے جان
بیٹھ کر اُس پر دوڑ لگائے میلوں تک اِنسان
پیتی ہے وہ تیل اور پانی، پیر ہیں اُس کے چار
شام پہیلی پُوچھے تم سے بولو نا سرکار!



2

چھوٹا سا اِک ڈبّا اس میں سارا جہاں سمائے
کھیل تماشہ گانا بجانا سب کچھ اس میں آئے
آج کی خبریں بعد میں سُننا، سُنتی ہو باجی!
پہلے پہیلی شام کی بُوجھو پھر دیکھو ٹی۔ وی



3

پیر نہیں ہیں اُس کے لیکن پھر بھی چلتا پھرتا ہے
ہاتھ کا ہے وہ میل بھی لیکن مشکل ہی سے مِلتا ہے
جھٹ پٹ اس کو لوگ اُٹھائیں اگر کہیں گر جائے
شام پہیلی پُوچھے بھیّا! دیکھیں کون بتائے

جوابات : (۱) موٹر (۲) ٹی وی (۳) سکّہ

محمد فاروق دانش

بکرا، قصائی اور ہم



عیدالاضحیٰ کے لیے ایک عدد بکرا ہمارے ابّا جان خرید لائے، اب قصائی کا بندوبست کرنا تھا، چناں چہ ہم گھر سے نکلے اور قصائی کی تلاش میں چل دیے۔ آج کل نیا زمانہ ہے اس لیے قصائی ملنا آسان نہیں۔ ایک دوست سے ہمیں یہ بات معلوم ہوئی کہ شہر کے مشہور قصائی خیر دین نے شہر کے وسط میں القصاب لمیٹڈ کے نام سے ایک ائرکنڈیشن دفتر کھولا ہے۔ ہم پتہ دریافت کر کے اس دفتر پہنچے۔ اندر داخل ہونا چاہتے تھے کہ ایک صاحب نے ہمیں روک لیا۔ بڑے لمبے تڑنگے، بڑی بڑی مونچھوں والے صاحب تھے۔ معلوم ہوا موصوف چوکیدار ہیں۔ کہنے لگے "اے چھوکرا! کہاں اندر گھسا چلا جاتا ہے؟"

ہم نے کہا "جناب بکرا ذبح کروانا ہے۔"

"صاحب اس وقت بہت مصروف ہیں۔ ویٹنگ روم میں انتظار کرو"





ویٹنگ روم کا سُن کر چونکنا پڑا۔ یہ نام تو ہم نے ریلوے سٹیشن پر پڑھا تھا، لیکن ۔۔۔۔ خیر وہی بات نیئے زمانے کی۔ بکرا تو ذبح کروانا ہی تھا اس لیے ویٹنگ رُوم میں صوفے پر دراز ہو گئے۔ وقت دیکھا تو بارہ بج رہے تھے۔ آرام دہ صوفے پر دراز ہوئے تو کچھ غنودگی سی طاری ہونے لگی، پتا نہیں لگ سکا کہ کب نیند آگئی۔ آنکھ اس وقت کھُلی جب چوکیدار صاحب نے جھنجوڑا اور حکم دیا "چلو، صاحب سے مل لو"!

ہم دفتر کے اندر گھُسے ہی تھے کہ چوکیدار صاحب نے واپس باہر گھسیٹ لیا "درخواست ٹائپ کرا کے لائے ہو؟" انھوں نے سرگوشی میں پوچھا۔ ہم نے کہا "نہیں تو!"

"تم نے یہ بورڈ نہیں پڑھا؟" انھوں نے فرمایا۔
اب جو ہم نے بورڈ کی طرف نگاہ کی تو اس پر لکھا تھا:

"گائے اور بکرا کٹوانے کے لیے درخواستیں وصول کرنے کی قطعی اور آخری تاریخ 25 اکتوبر 79ء ہے"

ہم نے اپنی گھڑی میں تاریخ دیکھی تو 25 اکتوبر تھی۔ جلدی سے ٹائپسٹ صاحب کی دکان پر پہنچے اور ان سے کہا "ذرا بکرا ذبح کروانے کی درخواست لکھ دیجیے"۔ ٹائپ والے صاحب نے پہلے تو گھُور کر ہمیں دیکھا۔ پھر کچھ سوچ کر درخواست ٹائپ کرنے لگے۔ درخواست لے کر اور پیسے دے کر ہم دوبارہ خیردین صاحب کے دفتر پہنچ گئے۔ آفس میں اُن کے سیکرٹری نے ہم سے درخواست لے لی اور بولے "شام چار بجے تمھارا انٹرویو ہے اگر تم امتحان میں کامیاب ہو گئے تو تمھارا بکرا ذبح کر دیا جائے گا"۔

ہم نے ٹائم دیکھا، ڈیڑھ بجا تھا۔ واپس گھر پہنچے، کھانا کھایا اور تین بجے پھر انٹرویو کے لیے القصاب کی طرف چل دیے۔ اس وقت دفتر کے

باہر "لنچ بریک" کی تختی آویزاں تھی۔ ہم دفتر کے باہر بیٹھ گئے۔ خُدا خُدا کر کے چار بجے۔ چوکیدار صاحب نے "لنچ بریک" کی تختی ہٹائی۔ اسی لمحے چار پانچ آدمی اور آ گئے، ہم ان کے ساتھ ہی اندر گئے۔ خیر دین صاحب بڑی سی میز کے سامنے کُرسی پر دراز سب کی درخواستوں پر نظر دوڑا رہے تھے۔ کچھ دیر درخواستوں پر غور کرنے کے بعد وہ پہلے اُمّید وار سے مخاطب ہُوئے۔

"آپ کا بکرا باسی عید کو کٹ جائے گا۔" دُوسرے سے کہا "آپ کی گائے تباسی عید کو ذبح ہو گی" وہ دونوں آدمی چلے گئے۔



پھر تیسرے آدمی سے کہا "آپ کی گائے اور تینوں بکرے بھی تباسی عید کو ذبح کر دیں گے"

وہ آدمی بولا "حضُور! یہ پرچہ ملک صاحب نے آپ کے نام دیا ہے۔"

خیر دین صاحب نے خط پڑھا اور فرمایا "ارے صاحب! آپ نے پہلے ہی کہہ دیا ہوتا۔ میں عید کے روز انشاءاللہ آپ کے گھر سب سے پہلے پہنچ جاؤں گا۔"

وہ صاحب شُکریہ ادا کر کے چلے گئے۔ دو آدمی اور تھے اُن سے ارشاد ہوا "آپ کی درخواستیں پُرانی ہیں اس لیے آپ کا بکرا اور آپ کی گائے باسی عید کو ذبح کر دیں گے" وہ آدمی بھی چلے گئے۔

اب ہماری باری تھی انھوں نے پہلے ہماری درخواست کو بغور پڑھا پھر بولے "تمھارا بکرا بتاسی کو ذبح ہو سکتا ہے میاں!"

ہم نے کہا "جی وہ بکرا، عید کے دن ذبح کروانا ہے۔"

وہ کہنے لگے "ہُوں! مگر عید اور باسی عید انگیج ہو چکی ہیں۔ اگر بتاسی عید کو ذبح کروانا ہو تو بات کرو۔"

"ہم دُوسرے قصائی کا انتظام کر لیں گے" ہم نے کہا۔

خیر دین صاحب نے بڑے غصّے سے ہمیں دیکھا، گھنٹی بجائی اور چپراسی سے کہنے لگے "ان صاحب کو باہر کا راستہ دکھاؤ" یہ کہہ کر انھوں نے ہماری درخواست پھاڑ دی۔

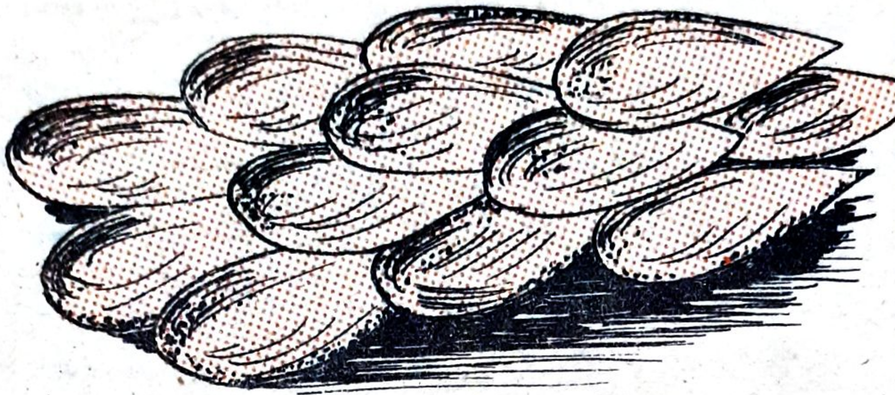
ہم غصّے میں بڑبڑاتے، سر ہلاتے، پیر پٹختے گھر پہنچے۔ اگلے دن تمام شہر کا چکّر لگایا۔ جہاں جہاں کسی قصائی کی خبر ملی اس کے پاس پہنچے مگر توبہ کیجیے، کسی نے حامی نہ بھری۔

عید آئی اور گزر گئی لیکن ہمارا بکرا ذبح نہ ہو سکا اور اب چھاتی تانے دندناتا پھرتا ہے۔ اس قدر تا معقول ہے کہ دیواروں کی جگہ ہمیں ٹکریں مارتا ہے۔ اب ہم سوچ رہے ہیں کہ اگلی عید کے لیے ابھی سے درخواست دے دیں تاکہ اس دفعہ عید کے دن ہمارا نمبر آجائے۔



رشید اکبر

بادام



بادام مشہور گری دار میوہ ہے۔ اس کی گریاں بہت شوق سے کھائی جاتی ہیں اور صحت کے لیے بہت مفید ہیں۔ اس کی ذائقے اور جسم کے لحاظ سے مختلف قسمیں ہیں۔ ذائقے کے لحاظ سے بادام دو قسم کا ہوتا ہے۔ میٹھا بادام اور کڑوا بادام۔ میٹھا بادام ہی کھانے کے کام آتا ہے۔ کڑوا بادام زہریلا ہوتا ہے اس لیے کھایا نہیں جاتا۔ چھلکے کی سختی اور جسم کے لحاظ سے بھی اس کی دو مشہور قسمیں ہیں، یعنی کاغذی بادام اور کاٹھا، کٹھا یا ٹھرڑا بادام۔ کاغذی بادام جسم میں نسبتاً چھوٹا ہوتا ہے لیکن اس کا چھلکا پتلا اور نرم ہوتا ہے جس کی وجہ سے یہ آسانی سے ٹوٹ جاتا ہے مگر کاٹھے یا ٹھرڑے بادام کا چھلکا سخت اور موٹا ہوتا ہے، آسانی سے نہیں ٹوٹتا۔

بادام کا درخت آٹھ دس فٹ کے قریب لمبا ہوتا ہے جس کی چھال سرخی مائل اور پتے لمبے، ڈنڈی سے جڑے ہوئے، درمیان سے چوڑے اور آگے پیچھے سے پتلے ہوتے ہیں۔ کچے پتوں کا رنگ ہلکا سبز ہوتا ہے مگر بعد میں سفیدی مائل ہو جاتے ہیں۔ ان کے کناروں پر باریک دندانے سے بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ پتے موسم خزاں میں جھڑ جاتے ہیں۔ پھول بڑے خوب صورت سفید رنگ کے ہوتے ہیں جن پر سرخ رنگ کی چھینٹیں سی پڑی ہوتی، بڑی بھلی لگتی ہیں۔ جب پھول آتے ہیں تو بادام کا درخت بہت خوشنما دکھائی دیتا ہے۔

بادام کی گری میں روغن، شکر، گوند، پروٹین (لحمیات)، منرلز (معدنیاتی اجزا)، نمکیات، نشاستہ اور وٹامنز (حیاتین) پائے جاتے ہیں۔ کڑوے بادام میں ان چیزوں کے علاوہ ایک بہت تیز قسم کا زہر ہائیڈروسیانک ایسڈ پایا جاتا ہے۔ اس زہر کی صرف ایک بوند انسان کو فوراً ہلاک کر دینے کے لیے کافی ہے۔ چوں کہ اس کا اثر فوری ہوتا ہے، اس لیے اس کا علاج بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ سیانے لوگ کڑوے بادام کی گریاں کھانے سے منع کرتے ہیں۔ یوں بھی وہ بہت کڑوی اور بدمزہ ہوتی ہیں اور اگر بہت سی میٹھی گریوں کے ساتھ ایک بھی کڑوی گری منھ میں چلی جائے تو سب کا مزہ کرکرا کر دیتی ہے۔

بادام کا اصل وطن بحیرۂ روم کا ساحلی علاقہ ہے۔ آج کل جنوب مغربی ایشیا، اٹلی، سپین، امریکا، پرتگال، ایران، افغانستان اور مراکش میں بہت ہوتا ہے۔ پاکستان کے کچھ علاقوں میں بھی تھوڑا بہت پایا جاتا ہے۔

بادام یوں تو بہت پرانا میوہ ہے لیکن پرانے زمانے میں اسے عام لوگ استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ صرف بادشاہ اور امیر لوگ ہی اسے کھاتے تھے اس لیے اسے شاہی میوہ کہا جاتا تھا۔ عام لوگوں کو اس کے ذائقے کا بھی پتا نہیں تھا۔

پرانے مذہبوں میں اسے مقدس میوہ سمجھا جاتا تھا اور مذہبی تہواروں پر اس کا برکت کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ بادام کی گریوں سے نکلنے والے تیل (بادام روغن) سے روما اور یونان کے پرانے حکیم مریضوں کا علاج کیا کرتے تھے۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام سے ہزاروں سال پہلے کے زمانے میں مصر کے بادشاہوں (فرعونوں) کی لاشوں کو محفوظ رکھنے کے لیے جو مصالحے تیار کیے جاتے تھے ان میں بھی بادام کی گریاں استعمال ہوتی تھیں۔ عراق میں سات ہزار برس پرانے ایک شہر کی کھدائی کے دوران ماہرین کو اس

دُور کے بادام ملے ہیں، جن کا چھلکا اور گریاں بالکل محفوظ ہیں اور ذائقے میں بھی فرق نہیں آیا، مگر روغن خشک ہو چکا ہے۔ یہ بادام عراق کے عجائب گھر میں نمائش کے لیے رکھ دیے گئے ہیں۔

بادام دماغی طاقت کے لیے بہت مفید ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ مُغل بادشاہ اکبر کی ذہانت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ باقاعدگی کے ساتھ بادام استعمال کرتا تھا۔ بڑے بڑے ذہین اور اعلیٰ دماغ لوگ دماغی طاقت کے لیے بادام استعمال کرتے ہیں۔ حافظے کی خرابی، نظر کی کمزوری اور عام جسمانی کمزوری میں بادام کی گریوں کا استعمال بہت فائدہ دیتا ہے۔ اس کے علاوہ حکیم لوگ اس سے بے شمار بیماریوں کا علاج کرتے ہیں۔ بادام کے چھلکے سے بہترین منجن تیار کیا جاتا ہے جو دانتوں کی تمام بیماریوں کے علاج میں بے حد مفید ہے۔

بادام کی گریوں کے دُودھ سے چائے بنا کر پینے سے نظر اور حافظے کی کمزوری دُور ہو جاتی ہے۔ گائے کے دُودھ میں بادام کی گریوں کا دُودھ ملا کر گرم کر کے شہد ڈال کر پیا جائے تو بہت فائدہ دیتا ہے۔ بادام کے چھلکوں کا تیل پھلبہری، داد، چنبل اور خشک خارش کا علاج ہے۔ دماغی کمزوری، دل کی کمزوری، خون کی کمی، دُبلے پن، دماغی تھکاوٹ، نظر کی کمزوری، یادداشت کی کمزوری، پیاس زیادہ لگنے کی تکلیف، رنگ اندھا پن، مالیخولیا، وہم، دائمی قبض، انتڑیوں کی خشکی، معدے کی خرابی، دانتوں کی بیماریوں، نزلہ زکام، آنکھوں کی بیماریوں، کانوں کی بیماریوں، زبان کے زخموں، مُنھ کے اندر کے زخموں، مُنھ پکنے، کیلشیم کی کمی سے پیدا ہونے والی بیماریوں اور جلدی اور اعصابی تکلیفوں میں بادام کا استعمال بہت فائدہ دیتا ہے۔

بادام کی گریوں کے چھوک سے چہرے کی خوب صُورتی اور رنگت نکھارنے کے لیے اُبٹن تیار کیا جاتا ہے۔ اگر اس اُبٹن کو مل کر نہایا جائے تو

سارے جسم کی جلد بہت ملائم اور خوب صورت نکل آتی ہے۔ چہرے پر اس اُبٹن کے استعمال سے رنگ صاف ہوتا ہے، چہرے کی جلد چکنی اور روشن ہو جاتی ہے اور داغ، چھائیاں اور جھریاں غائب ہو جاتی ہیں۔

بادام کی گریاں دوسرے خشک میووں کے ساتھ ملا کر بھی کھائی جاتی ہیں، اکثر مٹھائیوں اور کھانوں میں ڈالی جاتی ہیں اور طاقت دینے والی تمام دواؤں میں استعمال ہوتی ہیں۔ بچّوں اور خاص کر سکول جانے والے بچّوں کے لیے یہ بہت ہی مفید ہیں اور ان کا من بھاتا کھاجا بھی ہیں۔ بادام کی گریوں کو بادام کا شربت، بادام کی سردائی، بادام کا خمیرہ، بادام کا حلوہ، بادام کا مُربّہ، بادام کا حریرہ، بادام کا جوشاندہ، بادام کی معجون اور بادام کا محلول یا دُودھ بنا کر مختلف طریقوں سے استعمال میں لایا جاتا ہے۔ بادام کی گریوں کا تیل یا بادام روغن ہزار دواؤں کی ایک دوا اور بہت طاقت دینے والی صحّت بخش غذا ہے۔

مختلف زبانوں میں بادام کے مختلف نام ہیں۔ اُردو، بنگالی، ہندی اور فارسی میں اسے بادام کہتے ہیں۔ پنجابی اور گجراتی میں بدام، سندھی میں بادامی، سنسکرت میں باداما اور داتاد، تامل میں انڈوڈم، انگریزی میں آمنڈ، یُونانی میں ایمگ ڈیلیا، لاطینی میں ایمگ ڈلیس کاموئس، تلوگو میں بیدم اور عربی میں لوز کہلاتا ہے۔

جوابات "بتائیے"

(1) سری لنکا (2) 776 ق م، یُونان میں (3) عمان (4) 5 لاکھ مربع میل (5) رگلڈر (6) حضرت امام ابُو حنیفہؒ کو (7) حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (8) جنیوا (سوئٹزرلینڈ) میں (9) چمگادڑ کی ایک قسم جو پھل کھانے کی شوقین ہے۔

خالد بزمی

چاند



اپنا نور بکھیرے چاند
کر دے دُور اندھیرے چاند

رات کہاں سے آتا ہے
جائے کہاں سویرے چاند

شب پھیلا کر اپنا جال
سب دُنیا کو گھیرے چاند

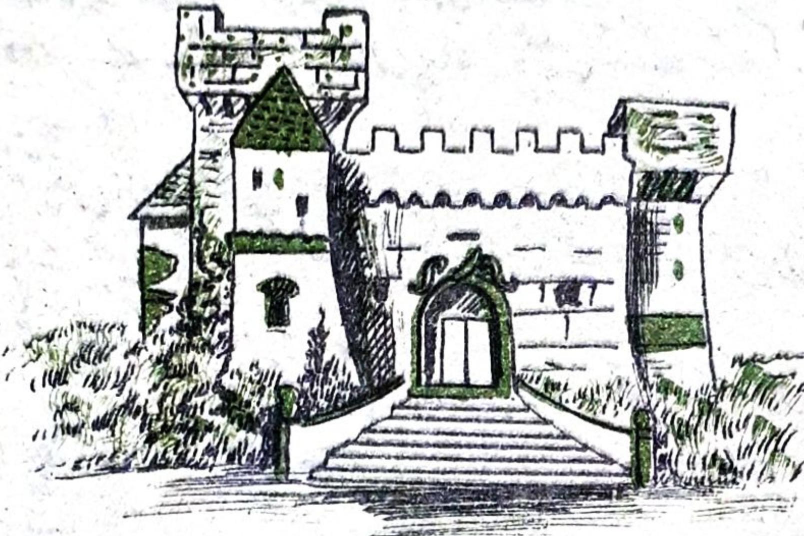
جب راتیں اندھیاری ہوں
کیسے آنکھیں پھیرے چاند

میرے دل کو بھاتے ہیں
سب نظّارے تیرے چاند

امّی جب مجھ سے خُوش ہوں
تب کہتی ہیں "میرے چاند!"

بچّو! تم پڑھ لکھ جاؤ
پھر دیکھو بہتیرے چاند

میری خواہش ہے بزمی
آئے میرے ڈیرے چاند



کہانی

یہ بڑی خطرناک بات تھی۔ دشمن کی فوجیں علاقے پہ علاقے فتح کرتی ہوئی بڑھتی چلی آ رہی تھیں اور ملک کا سپہ سالار ساری فوج لے کر دشمن سے مل گیا تھا۔ اتنا وقت نہیں تھا کہ نئی فوج تیار کی جا سکے۔ بادشاہ پریشان ہو گیا۔

"اب کیا ہوگا؟" وہ بڑبڑایا لیکن اسے جواب کون دیتا، سب درباری تو خود بھی سوچ رہے تھے۔

جب کسی طرف سے کوئی جواب نہ ملا تو بادشاہ نے وزیر سے پوچھا۔ "شہر میں کتنی فوج ہے؟"

"بہت تھوڑی جہاں پناہ!" وزیر مکّاری سے بولا "صرف چند سو بچے کھچے سپاہی اور کچھ تھوڑے سے لوگ حضور کے حکم کے مطابق اور بھرتی کیے گئے ہیں، مگر وہ ابھی جنگی تربیت حاصل کر رہے ہیں۔"

بادشاہ کچھ دیر سوچتا رہا پھر درباریوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ "آپ لوگ مشورہ دیں کہ ہمیں اب کیا کرنا چاہیے؟"

سب اپنی اپنی رائے دینے لگے۔ ایک شخص بولا "حضور! ہمیں

شہر خالی کر کے جنگل میں پناہ لینی چاہیے، دشمن لوٹ مار کر کے چلا جائے گا تو واپس شہر میں آجائیں گے۔"

دوسرے نے کہا "جہاں پناہ! ہمیں آگے بڑھ کر دشمن کو روکنا چاہیے۔"

"لیکن ان کی فوج بہت زیادہ ہے جہاں پناہ!" وزیر نے اس کی بات سن کر کہا "ہم اتنی فوج کا گنے چنے آدمیوں کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتے۔"

"جہاں پناہ!" ایک بوڑھے درباری نے کہا "ہمیں قلعہ بند ہو جانا چاہیے اور دشمن سے صلح کی بات چیت کے لیے اپنا وفد بھیجنا چاہیے۔"

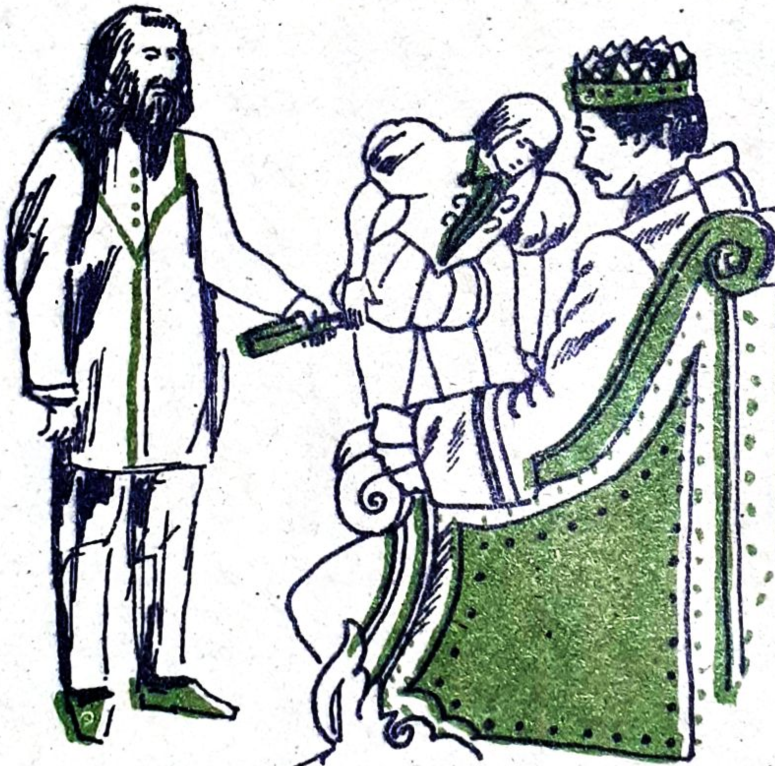
بادشاہ کو بوڑھے درباری کی یہ بات پسند آئی۔ اس نے وزیر کو حکم دیا۔ "اناج اور کھانے پینے کی جتنی چیزیں مل سکتی ہیں ان کا ذخیرہ کر لیا جائے اور شہر پناہ کے دروازے بند کر کے شہر میں موجود فوج شہر کی حفاظت پر لگا دی جائے۔ تم کچھ سیانے لوگوں کا وفد لے کر فوراً دشمن کی طرف جاؤ اور ان سے صلح کے لیے بات چیت کرو۔" وزیر کو یہ حکم دے کر بادشاہ نے باقی درباریوں میں سے کسی کو اناج اور کھانے پینے کی چیزیں اکٹھی کرنے کا حکم دیا، تو کسی کو شہر پناہ کی فصیل پر پہرے کی ذمّے داری سونپ دی۔

وزیر کوتوال اور اپنے مطلب کے چند اور آدمی ساتھ لے کر صلح کی بات چیت کے بہانے شہر سے نکل گیا۔ اب تک ہر بات اس کے اندازے کے مطابق ہوئی تھی اور اسے یقین تھا کہ چند ہی روز بعد وہ شہر میں بادشاہ کی حیثیت سے داخل ہو گا۔ اس کے خیال میں اب اس کے خوابوں کے پورے ہونے کا وقت آ گیا تھا۔

وزیر کو گئے ہوئے کئی روز گزر گئے مگر اس کی طرف سے کوئی

خبر نہ آئی۔ آخر ایک دن فصیل کے پہرے داروں نے بادشاہ کو اطلاع دی کہ دُشمن کی فوج آ پہنچی ہے اور شہر پناہ کے سامنے میدان میں اُتر رہی ہے۔

بادشاہ نے اس خبر کے سُنتے ہی شہر پناہ کی فوج کو چوکس رہنے کا حکم دیا اور درباریوں کو بُلا کر انھیں صُورتِ حال بتائی۔ پھر اُس نے حکم دیا کہ ایک درباری صُلح کا جھنڈا لے کر دُشمن کی فوج میں جائے اور یہ معلوم کرے کہ دُشمن کیا چاہتا ہے، اس نے کیوں حملہ کیا ہے اور صُلح کے لیے اس کی کیا شرطیں ہیں۔ اس کام کے لیے اُسی بوڑھے درباری کو مُنتخب کیا گیا جس نے قلعہ بند ہو کر لڑنے کی صلاح دی تھی۔



جب بوڑھا درباری دُشمن کی فوج میں گیا تو ایلچی کی حیثیت سے اسے حملہ آور بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ان کا وزیر، سپہ سالار اور کوتوال بڑی عزت سے دُشمن بادشاہ کے پاس بیٹھے ہیں۔ اُس نے بھی ادب سے جھک کر اس بادشاہ کو سلام کیا اور اپنے بادشاہ کا پیغام دیا۔

پیغام سُن کر دُشمن بادشاہ ہنسا اور کہنے لگا "بڑے میاں! تم کس بادشاہ کی بات کرتے ہو؟ تمھارا بادشاہ تو یہ ہمارے پاس بیٹھا ہے" اُس نے

غدّار وزیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "جاؤ جا کر شہر میں ہماری طرف سے یہ اعلان کر دو کہ اُس بُزدل کو جو تمہارا بادشاہ کہلاتا ہے، ساتھیوں سمیت باندھ کر ہمارے حوالے کر دیا جائے اور بغیر کسی شرط کے ہماری اطاعت قبول کر لی جائے۔ ہم شہریوں کو جان و مال کی پناہ دیں گے۔ ورنہ شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے گی"۔

بوڑھا درباری یہ سُن کر تھر تھر کانپتا واپس لوٹا۔ جب بادشاہ کو سپہ سالار، وزیر اور کوتوال کی غدّاری اور دُشمن کے ارادوں کا پتا چلا تو اسے بہت رنج ہوا۔ لیکن آخر بادشاہ تھا، اپنی گھبراہٹ کو چھپا کر درباریوں سے کہنے لگا:

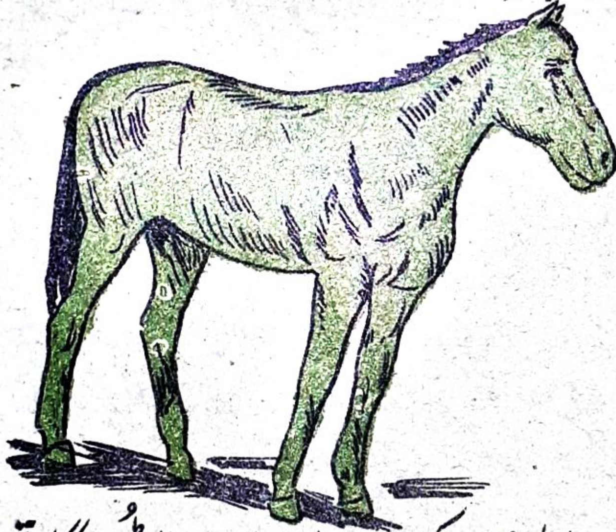
"چلو اچھا ہوا، غدّار ظاہر ہو گئے"۔ پھر وہ راجا کی طرف مخاطب ہوا اور بولا "بہادر نوجوان! ایک بار پھر تمہاری بہادری کا امتحان آ پہنچا ہے۔ دُشمن ہمیں بے بس سمجھتا ہے۔ اسے علم نہیں ہے کہ چند غدّاروں کو کھو کر ہم نے کچھ نہیں کھویا۔ ہمارے پاس اب بھی ایسے بہادر موجود ہیں جو اکیلے ہزاروں پر بھاری ہیں۔ آج سے تم ہمارے سپہ سالار ہو۔ شہر میں جتنی فوج موجود ہے، اسے سنبھالو اور دُشمن کو بتا دو کہ اس شہر کی اینٹ سے اینٹ بجانا آسان نہیں۔ ہم تمہارے ساتھ رہیں گے یا تو دُشمن کو مار بھگائیں گے یا جان دے دیں گے"۔

بادشاہ کی یہ بات سُن کر راجا کی جان نکل گئی۔ اُس نے سمجھ لیا کہ اب بچنا ممکن نہیں۔ ڈاکو خود بخود مر گئے تھے، شیر بھی اتّفاق سے مارا گیا تھا مگر اب تو جان بچانے کا کوئی رستہ نہیں تھا۔ اس کے آگے بھی موت تھی اور پیچھے بھی۔ اگر وہ فوج لے کر دُشمن سے لڑنے نکلتا تو مرتا اور انکار کر دیتا تو بادشاہ اُسے غدّار اور وزیر کا ساتھی سمجھ کر مروا دیتا۔ اُس نے سوچا: "جب یوں بھی موت ہے اور ووں بھی تو پھر عزّت کیوں داؤ پر لگائی جائے"۔ یہ سوچ کر اس نے بادشاہ کے حکم پر سر جھکا دیا۔

بادشاہ نے حکم دیا "سرکاری اسلحہ خانے سے اپنے لیے ہتھیار منتخب کرو،

شاہی اصطبل سے اپنے لیے گھوڑے چُن لو اور تیار ہو کر فوج کو تربیت دو ہم کل دُشمن کو بتا دیں گے کہ بُزدل کون ہے۔"

راجا کی یُوں تو جان نکلی جا رہی تھی، مگر وہ کسی طرح اپنا خوف کسی پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا، شاہی پیادوں کے ساتھ اسلحہ خانے کی طرف چل دیا۔ بادشاہ کے ہتھیاروں میں سے اس نے خوب بھاری بھاری اسلحہ چُنا۔ پھر وہ شاہی اصطبل میں گھوڑے لینے کے لیے گیا۔ بادشاہ اپنے درباریوں سمیت وہاں اس سے پہلے پہنچ چکا تھا۔ اسلحہ دیکھ کر اس نے بہت تعریف کی کہ بہادری کے ساتھ ساتھ راجا نے اپنی طاقت کا لوہا منوانے کی خاطر خوب ہتھیار چُنے تھے۔ پھر بادشاہ نے اسے اپنے لیے گھوڑے چُن لینے کی اجازت دی۔



راجا نے دیکھا کہ اصطبل میں ایک طرف ایک دُبلا پتلا مریل سا گھوڑا الگ تھلگ بندھا ہے۔ اُسے گھوڑوں کی کوئی پہچان تو تھی نہیں، اس مریل سے گھوڑے کو دیکھ کر اُس نے سوچا:

"یہ ٹھیک رہے گا۔ بھاری اسلحہ پہن کر جب میں اس پر بیٹھوں گا تو اس سے چلا نہیں جائے گا اور جنگ میں یہ سب سے پیچھے رہ جائے گا اس طرح مجھے یہ بہانہ بنانے کا موقع ملے گا کہ میں گھوڑے کی وجہ سے جنگ میں پُوری طرح حِصّہ نہ لے سکا۔ شاید اسی طرح جان بچ جائے۔" یہ سوچ کر وہ آگے بڑھا اور اُس نے دُبلے پتلے گھوڑے پر ہاتھ رکھ دیا اور بولا:

"حضُور! یہ گھوڑا مجھے دے دیا جائے۔" توقع کے بالکل خلاف

جوں ہی اس نے گھوڑے پر ہاتھ رکھا، تمام درباری عش عش کر اُٹھے۔ بادشاہ نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا اور بڑی تعریف کرتے ہوئے کہنے لگا:

"تم واقعی ہر طرح لاثانی ہو۔ تُم نے ہمارا سب سے قیمتی اور بہترین گھوڑا چُن لیا ہے، لیکن ہم انکار نہیں کریں گے۔ یہ گھوڑا آج سے تمھارا ہے۔" یہ کہہ کر بادشاہ نے اپنے خادموں کو اشارہ کیا اور انھوں نے گھوڑا کھول کر راجا کے نوکروں کے حوالے کر دیا۔ راجا بے چارا بہت پریشان ہوا، اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس مریل گھوڑے میں کیا خوبی ہے جو بادشاہ ایسی باتیں کر رہا ہے اور تمام درباری سر ہلا ہلا کر اور دیدے گھما گھما کر اس کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا رہے ہیں۔

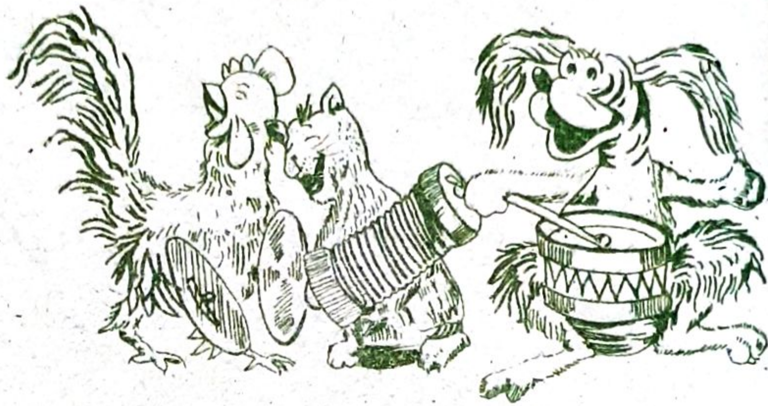
بادشاہ نے اس خوف سے کہ کہیں راجا اس کے سب ہی اچھے گھوڑے نہ چُن لے جائے، چند اور گھوڑے اپنی پسند کے مطابق دے دیے۔ راجا کی نظر میں بادشاہ کی طرف سے دیے گئے گھوڑے پہلے والے گھوڑے سے بہت بہتر تھے۔ اس نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ بادشاہ کے چُنے ہوئے گھوڑوں پر سوار ہو کر ہرگز جنگ کے لیے نہیں جائے گا۔ اسی مریل سے گھوڑے پر ہی سوار ہو گا۔

نوکر تو اس کے لیے گھوڑے اور اسلحہ لے کر راجا کے محل کی طرف چل دیے اور بادشاہ نے فوج کا معاینہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ راجا دل ہی دل میں بلبلاتا، اپنی قسمت کو کوستا، ادب سے سر جھکائے اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

(جاری ہے)



ھا ھا ھا ھا ھا ھا



ٹریفک سارجنٹ نے ایک شخص کو بہت تیز کار چلانے کی وجہ سے روک کر ڈانٹنا شروع کیا۔

"آپ بہت تیز گاڑی چلا رہے ہیں" اس نے چالان کے لیے نوٹ بک نکالتے ہوئے کہا "یہاں 25 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے زیادہ تیز گاڑی چلانا جرم ہے۔ اپنے سپیڈومیٹر پر نظر رکھا کیجیے۔"

وہ شخص بے بسی سے چشمہ اُتارتے ہوئے بولا:

"جناب میری ایک ہی آنکھ ہے، اسے سڑک پر رکھوں یا سپیڈومیٹر پر؟"

(شکیل احمد عزیزی۔ کراچی)

ایک دوست (دوسرے سے): تمھارا ہاتھ مشین میں آگیا، بہت افسوس ہوا۔

دوسرا: بس خدا کا کرنا ہے، کیا کہیں!

پہلا: چلو، یہ بھی خیریت گزری کہ ہاتھ بایاں تھا، اگر خدانخواستہ دایاں ہوتا تو بہت مشکل ہوتی۔

دوسرا: اصل میں آیا تو دایاں ہی تھا میں نے اسی خیال سے اسے نکال کر بایاں ڈال دیا۔

(بے بی ناظمہ نسرین۔ واہ کینٹ)

ایک صاحب بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے کہ ان کے پاس بیٹھے ہوئے شخص نے اُن سے کہا:

"کیا آپ تھوڑی دیر کے لیے مجھے اپنی عینک عنایت فرمائیں گے؟"

"کیوں نہیں!" وہ صاحب بولے اور عینک اُتار کر دوسرے صاحب کو دے دی۔ انھوں نے وہ عینک لگائی اور بولے:

"اب آپ کے لیے اخبار بے کار ہے، وہ بھی مجھے دے دیجیے۔"

(تاج محمود قریشی۔ کراچی)

ایک صاحب اپنے بچّے کی اُنگلی پکڑے بازار میں سے ادھر اُدھر دیکھتے گزر رہے تھے کہ کسی پھل کے چھلکے پر سے ان کا پیر پھسل گیا۔ مشکل سے سنبھلے تو اُن کے بچّے نے پوچھا:

"ابّو کیا ہوا تھا؟"

"کچھ نہیں بیٹا!" انھوں نے جواب دیا "شیطان نے دھکّا دیا تھا۔"

بچّہ یہ سُن کر خاموش ہو گیا۔ اگلے دن گلی میں کھیلتے ہوئے اُسے کسی ساتھی بچّے نے دھکّا دے دیا، وہ روتا روتا گھر آیا تو اس کی امّی نے اسے دلاسا دیا:

"کوئی بات نہیں بیٹے! وہ تمھارا دوست جو ہے۔ دوستی میں کبھی کبھار ایسا ہو جاتا ہے۔"

بچّہ یہ سُن کر روتے روتے ایک دم چُپ ہو گیا اور کچھ سوچ کر کہنے لگا:

"امّی! تو کیا شیطان ابّو کا دوست ہے؟ اس نے بھی تو کل ابّو کو دھکّا دیا تھا۔"

ماسٹر صاحب نے کلاس کو کرکٹ پر مضمون لکھنے کے لیے دیا۔ ایک بچّے نے پرچے پر لکھا:

"آج بارش کی وجہ سے میچ نہیں ہو سکا۔"

(عاصم ریاض۔ ڈبّی بازار لاہور)



انعامی مقابلہ

مجھے سخت شکایت ہے!



پُرانی گاڑی :



ہمیں اپنے ابّو کی پرانی کار سے سخت شکایت ہے۔ ہم نے ابّو سے کئی بار کہا کہ خریدنی ہے تو نئی گاڑی خرید لیں، مگر انھوں نے ہماری ایک نہ سُنی اور پُرانی کار خرید لائے۔ جس وقت کار خریدی گئی تھی اُن دنوں بھی اس کی حالت کچھ زیادہ اچھّی نہیں تھی، مگر اب تو یہ حالت ہے کہ ذرا سا سفر کر کے خراب ہو جاتی ہے۔

پچھلے دنوں ہمیں ایک شادی پر راول پنڈی جانا تھا۔ ابّو کہنے لگے کار پر جائیں گے۔ ہم نے بہت مخالفت کی، مگر حسبِ دستور ہماری بات کی کسی نے پرواہ نہ کی، اور کار پر جانا ہی طے ہوا۔ مقرّرہ دن گھر سے نکلتے نکلتے کافی دیر ہو گئی، ابّو کو اطمینان تھا کہ کار پر جانا ہے، ہمیں کون سا بسوں کا انتظار کرنا ہے جو گھر سے جلدی چلیں۔ دعوت نامے پر دیے گئے وقت سے بمشکل آدھ گھنٹہ پہلے روانہ ہوئے حالاں کہ سفر کم از کم ایک گھنٹے کا تو تھا۔ خیر سفر شروع ہُوا۔ مشکل سے دس میل طے ہُوئے ہوں گے کہ گاڑی کا انجن گرم ہو گیا۔ مجبُوراً پانچ منٹ

کے لیے رُکنا پڑا۔ دوبارہ سفر شروع کیا تو پانچ میل کے قریب چل کر پھر انجن بند ہو گیا۔ اب تو پانچ منٹ دس منٹ کا کیا ذکر، آدھا گھنٹہ گزر گیا لیکن گاڑی نے چلنے کا نام نہ لیا۔ اس وقت تک شادی کی تقریب کا دعوت نامے پر دیا گیا وقت گزر چکا تھا۔ خدا خدا کر کے گاڑی نے ہماری حالت پر رحم کھا کر چلنے کی حامی بھری، انجن سٹارٹ ہو گیا مگر چند گز چلنے کے بعد پھر رُک گیا۔ پھر تو ہر قسم کی کوششیں بے کار گئیں۔ گاڑی نے نہ چلنے کی قسم کھا لی۔ یا اللہ اب کیا ہو؟ بڑی کوفت ہو رہی تھی۔



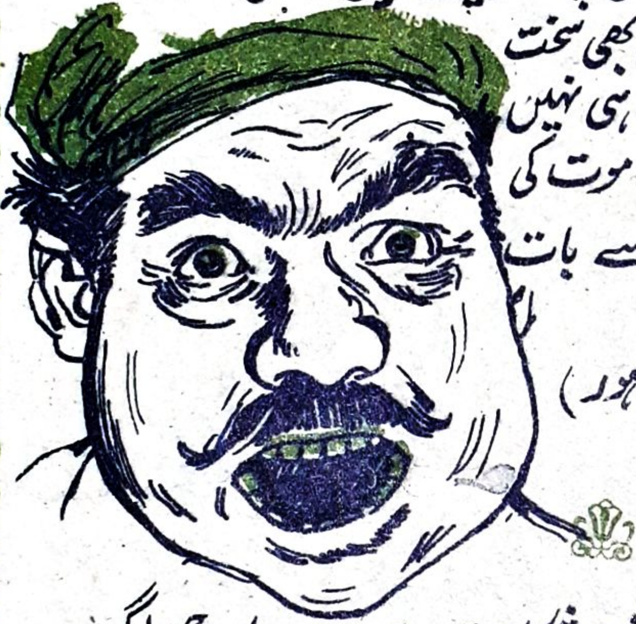
دُوسری گاڑیاں ہمارے پاس سے فراٹے بھرتی ہوئی گُزرتی جا رہی تھیں۔ بسیں گزرتیں تو ان میں سے لوگ گردنیں باہر نکال نکال کر ہمیں دیکھتے۔ ہم بہت شرمندہ ہو رہے تھے اور گاڑی پر بُری طرح تاؤ آ رہا تھا۔ ایک بار تو مارے غُصّے کے اُسے زور دار ٹھوکر رسید کی، مگر اس کا کچھ نہ بگڑا، البتہ ہمارے نئے جُوتے کا حُلیہ بگڑ گیا اور پاؤں میں سخت چوٹ لگی۔ اس پر مارے غُصّے اور خفّت کے ہمارا زور زور سے رونے کو دل چاہنے لگا۔

سڑک پر ہی شام کے پانچ بج چُکے تھے اور شادی کی تقریب میں دوپہر دو بجے تک شامل ہونے کی دعوت تھی۔ اب پنڈی جانا بے کار تھا، امّی ہمیں ساتھ لے کر بس میں واپس گھر چلی آئیں۔ ابّو رات کے دس بجے جس طرح گھر پہنچے وہ کچھ وہی جانتے ہوں گے۔ اب آپ ہی بتائیے ایسی نامُراد گاڑی سے ہماری شکایت بجا ہے یا نہیں؟

(عنبر نیاز۔ واہ کینٹ)

بُرے لوگ :

مجھے بُرے لوگوں سے سخت شکایت ہے۔ یہ لوگ خُدا تعالےٰ اور رسُولِ کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا نام تو لیتے ہیں مگر ان کے حکموں پر عمل نہیں کرتے۔ چوریاں کرتے ہیں۔ لوگوں کے گھروں میں ڈاکے ڈالتے ہیں اور یہ بھی نہیں سوچتے کہ اس طرح وہ اپنے غریب بہن بھائیوں کو کتنی مصیبتوں اور پریشانیوں میں پھنسا دیتے ہیں۔ قتل و غارت کرتے ہیں۔ مجھے ان لوگوں سے بھی سخت شکایت ہے جو غریبوں کو انسان ہی نہیں سمجھتے، غریبوں کو بے دردی سے موت کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں اور ان سے بات کرنا بھی اپنی توہین سمجھتے ہیں۔



(مزمّل صلاح الدین۔ لاہور)

سماج دُشمن :

مُجھے سماج دُشمن لوگوں سے سخت شکایت ہے۔ یہ بے رحم لوگ ہنستے بستے گھرانوں کو پل بھر میں اُجاڑ کر ماتم کدہ بنا دیتے ہیں۔ معصوم بچّوں کو اغوا کر کے ان سے بیگار لیتے ہیں اور مہکنے والے پھُول بننے سے پہلے ہی ان کلیوں کو مسل کر ملک و قوم کی ترقی کے رستے بند کر دیتے ہیں۔

(محمّد معراج۔ میر پور خاص)



ڈاک والے اور رسالہ مانگنے والے :

مجھے ڈاک والوں سے سخت شکایت ہے کیوں کہ یہ میرا رسالہ بہت

دیر سے مجھے پہنچاتے ہیں۔ مجھے رسالہ دس تاریخ سے پہلے نہیں ملتا، حالاں کہ بازار میں جلدی آجاتا ہے۔ کبھی کبھی تو سرے سے ملتا ہی نہیں۔ مجھے اپنے ان ساتھیوں سے بھی سخت شکایت ہے جو مجھ سے رسالے لے جاتے ہیں کہ پڑھ کر واپس کر دیں گے مگر اکثر واپس نہیں کرتے۔

(ارم ایاز۔ کوئٹہ)



ضعیف الاعتقادی :

مجھے ایسے ضعیف الاعتقاد لوگوں سے سخت شکایت ہے جو موجودہ دور میں، جب کہ انسان چاند کو بھی چھو چکا ہے، بڑی آسانی کے ساتھ دھوکے کا شکار ہو جاتے ہیں۔ آئے دن اخبارات میں آتا ہے کہ فلاں شخص پیری فقیری کے چکر میں پھنس کر سب کچھ لٹا بیٹھا، فلاں عورت پیروں سے سونا یا نوٹ دُگنے کراتے کراتے اصل بھی گنوا بیٹھی، وغیرہ وغیرہ۔ مگر لوگ ہیں



کہ سمجھتے ہی نہیں، دھوکے فریب کی عجیب غریب باتوں پر آنکھیں بند کر کے یقین کر لیتے ہیں اور بے انتہا مصیبتوں میں پھنس جاتے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا آخر کب تک ہم لوگ جعلی پیروں فقیروں کے چکّر میں پھنسے بے وقوف بنتے رہیں گے۔ (عادلہ نورین ملک۔ سیالکوٹ)



پڑوسی :

مجھے ایسے پڑوسیوں سے سخت شکایت ہے جو اپنے گھر کی صفائی

کے بعد کوڑا کرکٹ دوسروں کے گھروں کے سامنے ڈال دیتے ہیں۔ اگر ایسے لوگ یہی کوڑا کرکٹ کسی ڈبے وغیرہ میں ڈال کر ایک طرف رکھ دیں یا تھوڑی سی تکلیف کر کے کسی ایسی جگہ ڈال دیں جو اسی مقصد کے لیے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر کارپوریشن کی طرف سے بنائی جاتی ہیں تو کتنا اچھا ہو۔

(شمسہ احسان ۔ لاہور)





چھوٹی بہن :



مجھے اپنی چھوٹی بہن روبینا سے سخت شکایت ہے۔ وہ میری جو بھی کاپی کہیں دیکھ پاتی ہے اس پر رنگ برنگی بے تکی تصویریں اور سمجھ میں نہ آنے والے نقشے سے بنا دیتی ہے۔ اکثر ان کاپیوں پر میں نے سکول کا کام کیا ہوتا ہے۔ اس کی اس کارروائی سے سب کام ضائع ہو جاتا ہے، اور مجھے پھر سے محنت کرنا پڑتی ہے۔ ایک دفعہ میں سکول جاتے ہوئے جلدی میں دیکھے بغیر کاپیاں لے گئی۔ جب مس صاحبہ نے گھر میں کرنے کا کام دیکھنا چاہا تو میری کاپی دیکھ کر آگ بگولا ہو گئیں۔ روبینا نے ہر خالی جگہ اپنی کارگزاری دکھا رکھی تھی مس صاحبہ نے اسے میری بدتمیزی سمجھ کر میری پٹائی کر دی۔ ابّا سے الگ جھڑکیاں ملتی ہیں کہ تم کاپیاں بہت خراب کرتی ہو۔ مجھے بہت کوفت ہوتی ہے مگر روبینا کسی طرح باز ہی نہیں آتی۔

(امینا سلیم ۔ لاہور)





یہ بڑے :

ہمیں ان تمام بڑوں سے سخت شکایت ہے جو کہتے ہیں کہ انھوں نے

اپنے ابو، امی سے کبھی ڈانٹ نہیں کھائی تھی۔ وہ کبھی کھیلتے بھی نہیں تھے، کبھی ضد نہیں کرتے تھے وغیرہ۔ ہمیں پورا یقین ہے کہ وہ جب بچے تھے تو یہ سب کچھ کرتے تھے اور اب ہمیں سنانے کو جھوٹ بولتے ہیں، حالاں کہ خود ہم سے وہ یہی کہتے ہیں کہ جھوٹ بولنا بری بات ہے۔

(محمد شعیب ٹیپو سلطان۔ لاہور)

باجی:

ہمیں اپنی باجی سے سخت شکایت ہے بلکہ بہت سی شکایتیں ہیں۔



جب بھی ہم کوئی کام کریں وہ ہمیں ڈانٹتی رہتی ہیں۔ کبھی کہتی ہیں یہ کرو، کبھی کہتی ہیں وہ کرو۔ کوئی کام خراب ہو جائے تو جھٹ ہمارا نام لگا دیتی ہیں۔ ہمیں غصہ تو بہت آتا ہے مگر کیا کریں وہ ہم سے بڑی ہیں اس لیے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ (ثمینہ رشید۔ راولپنڈی)

تعلیم و تربیت کے اڈیٹر سے:

ہمیں آپ سے سخت شکایت ہے کیوں کہ آپ ہماری لکھی ہوئی چیزیں شائع نہیں کرتے۔ حد یہ ہے کہ آپ نے ہمیں انعامی مقابلے میں بھی شریک نہیں کیا، حالاں کہ ہماری شکایت بہت بہترین تھی۔ اب ہمیں یقین ہے کہ آپ ہماری یہ شکایت بھی مقابلے میں شریک نہیں کریں گے کیوں کہ یہ خود آپ کے خلاف ہے۔

(محمد صدیق آفریدی۔ پشاور)



قلمی دوستی :

مجھے قلمی دوستوں سے سخت شکایت ہے۔ شروع شروع میں تو یہ لوگ خُوب خط لکھتے ہیں، پھر کئی کئی خطوں کے بعد جواب دینے لگتے ہیں اور پھر بالکل ہی غائب ہو جاتے ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے ایک لڑکے نے ایک رسالے میں قلمی دوستی کے لیے میرا پتا پڑھ کر مجھے خط لکھا۔ میں نے فوراً جواب دیا۔ کچھ دن ہماری دوستی چلتی رہی لیکن پھر تصویر بھیجنے کے معاملے پر ٹھپ ہو گئی۔ کئی خط لکھنے کے بعد مجھے اس کا جواب ملا، تم غلط پتے پر خط لکھ رہے ہو، میں تمھارا دوست نہیں ہُوں۔

(ایم۔ اسلم صدّیقی۔ کراچی)





بھائی جان :

مجھے اپنے بھائی جان سے سخت شکایت ہے۔ میں جب بھی تعلیم و تربیت پڑھنے لگتا ہُوں، وہ مجھ سے چھین لیتے ہیں اور حُکم چلانے لگتے ہیں کہ چلو اپنے کورس کی کتابیں پڑھو اور رسالہ لے کر خود پڑھنے بیٹھ جاتے ہیں۔

(ندیم واسطی۔ کراچی)

خالہ زاد بہن :

مجھے اپنی خالہ زاد بہن سے سخت شکایت ہے۔ اُسے نیند میں چلنے اور باتیں کرنے کی عادت ہے۔ ایک دن میں رات کو بیٹھی پڑھ رہی تھی کہ اُس نے مجھے آ کر دبوچ لیا اور چور چور چلّانے لگی۔ ساتھ





ہی وہ مجھے مارتی بھی جاتی تھی۔ جب امی نے آ کر مجھے اس سے چھڑایا اور اسے جھنجھوڑ کر جگایا تو ہنسنے لگی۔ اب تو مجھے اس سے ڈر لگنے لگا ہے کہ کہیں سوتے سوتے میں کچھ اور ہی نہ کر گزرے۔

(صبا فاروق - لاہور)

بے حس ہمسائے :



مجھے ان ہمسایوں سے سخت شکایت ہے جو اپنے ہمسایوں کے حقوق کا خیال نہیں کرتے۔ حالاں کہ ہمسایوں کے حقوق کا خیال رکھنا ہمارا اخلاقی اور مذہبی فرض ہے۔

چند دن ہوئے ہمارے محلہ میں اسی وجہ سے ایک موت واقع ہوئی۔ موت کا ایک دن معیّن ہے لیکن اس موت کے تعیّن میں ایک ہمسائے کی دوسرے ہمسائے سے ضد کا بڑا دخل تھا۔ ایک طرف دل کا ایک مریض زندگی اور موت کی کش مکش میں مبتلا تھا اور دوسری طرف اس کا ہمسایہ بار بار احتجاج کے باوجود ٹیپ ریکارڈر اتنی اونچی آواز سے بجاتا تھا کہ دل کے مریض کو انتقال کرنا پڑا۔ اس کے باوجود بھی دوسرے ہمسائے نے کوئی خیال نہ کیا اور ہمسائے کی لاش صحن میں پڑی ہونے کے باوجود ٹیپ ریکارڈر پوری آواز سے بجاتا رہا۔

اس قسم کے بے حس اور بے رحم لوگوں سے جو لوگوں کے آرام، بیماری اور تکلیف تک کا خیال نہ رکھیں بھلا کسے شکایت نہ ہو گی۔

(عدیلہ رزاق - سیالکوٹ)



ذکاء اللہ جان ذکی

خاص خبر





ناشتے سے فارغ ہو کر میں نے اخبار اُٹھایا ہی تھا کہ ابا جان نے حکم دیا:

"میاں! ذرا خاص خاص خبریں تو سُناؤ۔"

میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا۔ اخبار میز پر پھیلا دیا اور کرسی سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ سب میری طرف دیکھنے لگے۔

"دو نے مل کر ایک کو ہلاک کر دیا۔"

"گجرات، آج یہاں دو مسلح آدمیوں نے، دیرینہ عداوت کی بنا پر۔۔"

"بس بس!" چچا جان بات کاٹ کر بولے "کوئی اور خبر سُناؤ۔"

میں نے حیرت سے اُن کی طرف دیکھا اور دُوسری خبر پڑھنے لگا:

"راہ گیروں نے مل کر جمعدار کی پٹائی کر دی۔"

راولپنڈی: آج یہاں چند مقامی راہ گیروں نے......

"یہ کیا بکواس کر رہا ہے!" بھائی جان چلّائے "کوئی خاص

خبر پڑھو۔"
"خاص خبر کون سی؟" میں نے حیرت سے کہا "اچھا.... تو سُنیے...." یہ کہہ کر میں نے صفحہ اُلٹا۔
"مُنہ چڑانے پر مار مار کر اَدھ مُوا کر دیا"
یہ تو کوئی خاص خبر نہ لگتی تھی۔ میں نے جلدی سے ایک نئی خبر پڑھی۔
"چڑیا گھر سے دو بن مانس فرار ہو گئے" یہ پڑھ کر میں نے سب کی طرف دیکھا اور بوکھلا کر رہ گیا۔ سب مجھے کینہ توز نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ "آخر آپ کس قسم کی خبریں سُننا چاہتے ہیں؟" میں نے جھنجھلا کر پُوچھا۔
"اے لو...... اتنا بڑا ہو گیا اور اسے ابھی تک یہ بھی نہیں معلوم" چچی جان بولیں۔
"بھئی! کوئی خاص قسم کی خبر سُناؤ" چچا نے وضاحت کی۔
"خاص! کیا یہ خاص نہیں ہیں، جو سُنا رہا ہوں؟ خبر اور سُرخیاں سُن لیجیے، جو پسند آئے وہ سُنا دُوں" یہ کہہ کر میں نے پُوری رفتار سے خبریں پڑھنا شروع کر دیں۔
"بلا وجہ مُکا مار کر دانت توڑ دیے... اُونٹ نے مالک کو ہلاک کر دیا.... چھت سے گر کر ٹانگ ٹوٹ گئی.... تھانے دار پکڑا گیا.... چور بھینس لے اُڑے..... گدھے نے مزدور کو زخمی کر دیا......" پڑھتے پڑھتے رُک کر میں نے ایک طائرانہ نظر اپنے اردگرد ڈالی۔ سب حیران ہو کر مجھے یوں دیکھ رہے تھے جیسے میں سیدھا پاگل خانے سے بھاگ کر آیا ہُوں.....
"شاید اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے" بھائی جان بولے۔
"ابے نالائق!" چچا جان نے اُٹھ کر ہمارا کان کھینچا "کوئی

خاص خبر سُنا حکومت وغیرہ کی ....."
میری نگاہیں ایک خبر پر مرکوز ہوگئیں۔
"آوارہ کُتّے مارنے کی مُہم تیز کردی گئی"۔
"ہٹ کم بخت!" دادا جان نے حُقّے کا کش ادھورا چھوڑ کر مجھے دھتکارا۔
میں نے جلدی سے دُوسرا صفحہ اُلٹا۔
"انڈوں کی قیمتوں میں اضافے پر تشویش
مُرغے برآمد کیے جائیں گے"۔
یہ خبر پڑھ کر میں نے سر اُٹھایا ہی تھا کہ چچا جان اور بھائی جان اپنی طرف لپکتے نظر آئے۔ اس سے پہلے کہ میں ہل سکتا دونوں نے مجھے قابو کر لیا۔



بھائی جان میری نبض دیکھنے لگے اور چچا جان دل کی دھڑکن پر غور کرنے لگے۔
"کمال ہے نبض تو ٹھیک چل رہی ہے" بھائی جان بولے۔
"اور دل کی دھڑکن بھی حسبِ معمول ہے"، چچا جان نے انکشاف کیا۔
"اچھا! تو پھر اسے ہوا کیا ہے؟" بھائی جان میرے سینے سے کان لگا کر دل کی دھڑکنیں گننے لگے۔ اسی کش مکش میں میری لات بھائی جان کی ناک پر لگ گئی اور ان کا خوش گوار موڈ چوپٹ ہو گیا۔ انھوں نے جھلّا کر ایک گھونسا میرے مُنھ پر مارنے کی کوشش کی۔ میں بچنے کے لیے

کھسکا۔ گھونسا مجھے لگنے کے بجائے چچا جان کی گردن پر پڑا۔ انھوں نے بھائی جان پر تو توجہ نہ کی شرارت کی جڑ مجھے سمجھتے ہوئے پوری طاقت سے مجھ پر ہی ہاتھ چلایا۔ میں نے بڑی صفائی سے ایک شاندار قلابازی کھائی اور میز سے نیچے جا گرا۔ چچا جان کا مُکّا سیدھا میز پر پڑا۔ میز پر رکھا ہوا ایش ٹرے اُچھل کر چچی جان کی گود میں جا گرا۔ چچی جان جانے کیا سمجھیں، اُونی کر کے کُرسی سمیت دادا جان پر جا گریں۔ دادا جان جو پیڑھی پر بیٹھے حُقّہ پی رہے تھے، اُچھلے۔ ان کے پاس ہی کُتّا بیٹھا تھا۔ کرسی اس پر گری۔ اس ناگہانی آفت سے گھبرا کر کُتّے نے شور مچانا شروع کیا تو بس توبہ ہی بھلی۔

دادا جان نے غصّے میں آکر مجھے اپنا جُوتا اُتار مارا۔ جُوتا مجھے نہ لگا بلکہ سائیں سائیں کرتا ہوا، کھڑکی سے نکل کر گلی میں جا گرا۔ گلی میں سے ایک صاحب گزر رہے تھے۔ جوتا ان کے سر پہ پڑا تو ان کی ٹوپی اُڑ کر کوڑے کے ڈرم میں گری اور ان کا صاف شفاف گنجا سر، صبح کے سُورج کی کرنوں سے چمکنے لگا۔ دادا جان نے اپنا نشانہ خطا ہوتے دیکھا تو دوسرا جُوتا اُتار کر مجھے دے مارا۔ اتّفاق ملاحظہ ہو، یہ جُوتا بھی کھڑکی میں سے نکلا اور حیران پریشان کھڑے ہوئے اُن صاحب کی چُندیا سے چٹاخ کی آواز کے ساتھ ٹکرایا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ صاحب رفو چکّر ہو جاتے، کہ عافیت اسی میں تھی، مگر وہ اُلٹا شور مچانے لگے۔ وہ یہ سمجھے کہ کوئی ان کے ساتھ شرارت کر رہا ہے۔

دُوسرے لمحے بھائی جان نے میرا ہاتھ پکڑا اور گھسیٹتے ہوئے گلی میں لے گئے۔

"اجی صاحب!" انھوں نے شور مچاتے ہوئے صاحب سے کہا "یہ لیجیے! آپ کا مُجرم، اُوپر سے جُوتے پھینک رہا تھا۔"

میں ابھی صورتِ حال کو سمجھ بھی نہ پایا تھا کہ ان صاحب نے مجھے

دبوچ لیا اور میری وہ دُرگت بنائی کہ جب میں ان سے جان بچا کر گھر میں آیا تو امّی چلّا اُٹھیں۔

"ارے دیکھنا! یہ مُوا کون گھُسا آ رہا ہے اندر؟"

خیال کیجیے! اس وقت میرا حال کیا ہوا ہو گا؟

اب جب بھی مجھے کوئی خبر سُنانے کے لیے کہتا ہے تو میں اخبار پھینک کر اپنے کمرے کی طرف بھاگ نکلتا ہوں۔











بتائیے

1 - پاکستان کے ایک دوست ملک کا یومِ آزادی ۴ فروری ہے، ملک کا نام بتائیے؟

2 - پہلے اولمپک کھیل کب شروع ہوئے اور کس ملک میں؟

3 - اردن ایک اسلامی مملکت ہے اس کے دارالخلافے کا نام بتائیے؟

4 - صحرائے عرب کا کل رقبہ بتائیے؟

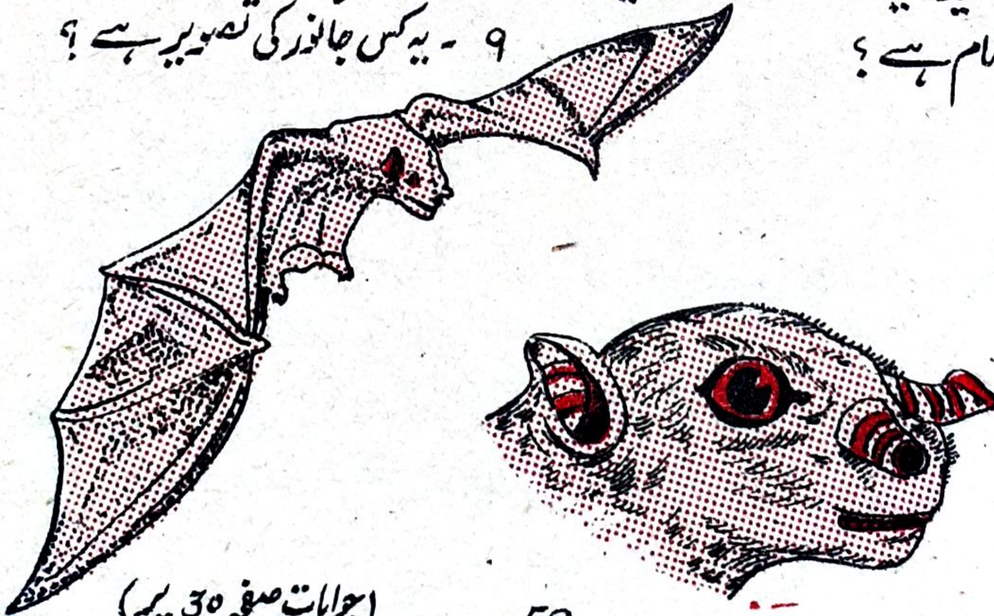
5 - نیدرلینڈ کے سکّے کا کیا نام ہے؟

6 - امامِ اعظم کنھیں کہا جاتا ہے؟

7 - بنی اُمیّہ کے دورِ خلافت میں کس خلیفہ کے دورِ حکومت کو خلافتِ راشدہ کے دور سے تشبیہ دی جاتی ہے؟

8 - عالمی ادارۂ صحت کا صدر مقام کہاں ہے؟

9 - یہ کس جانور کی تصویر ہے؟



(جوابات صفحہ 30 پر)

بڑوں کی بڑی باتیں

- جو طالبِ علم، علم حاصل کرتے ہوئے مرتا ہے، وہ شہید ہے۔ (حدیثِ نبویؐ)
- غصّہ ایسی آندھی ہے جو دماغ کا چراغ بجھا دیتی ہے۔ (کنفیوشس)
- جو شخص علم رکھتا ہو اور اس پر عمل نہ کرے وہ ایسا مریض ہے جس کے پاس دوا تو ہے مگر علاج نہیں کرتا۔ (اقلیدس)
- مظلوم کی بد دُعا سے ڈرو کیوں کہ اس کی بددُعا شعلے کی طرح آسمان کی طرف جاتی ہے۔ (حضرت علیؓ)
- ناامید ہونے سے عُمر کم ہوتی ہے۔ (ارسطو)
- علم پیغمبروں کا ورثہ ہے اور مال فرعون کا۔ (حضرت ابُوبکر صدیقؓ)

(انتخاب: اعجاز احمد قریشی۔ حیدرآباد)

- دِل کو زندہ اور بیدار رکھنے کے لیے اچھی کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے۔
- مطالعہ، غم اور اُداسی کا بہترین علاج ہے۔
- خاموشی بے ہودہ گفتگو سے بہتر ہے۔

(انتخاب: اللہ دتہ۔ دیپال پور)

- علم مومن کا گُم گشتہ مال ہے، جہاں سے ملے لے لو۔
- علم مال سے بہتر ہے کیوں کہ مال کی نگہبانی تمھیں کرنا پڑتی ہے لیکن علم تمھارا نگہبان ہوتا ہے۔
- مال خرچ کرنے سے ختم ہو جاتا ہے مگر علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔ (حضرت علیؓ)
- تمام خوبیوں کا مجموعہ علم سیکھنا، اُس پر عمل کرنا اور پھر دُوسروں کو سکھانا ہے۔ (حضرت غوثِ اعظمؒ)

(انتخاب: نائیلہ مجیب۔ فیصل آباد)

سیمی بٹ۔

پہلا اِنعام



ہمیں ڈراموں میں کام کرنے کا بہُت شوق تھا اور سکول کی بزم ادب میں اس شوق کو پورا کرنے کا اکثر موقع ملتا رہتا تھا۔ جب بھی ڈرامہ ہوتا ہم اس میں ضرور حصّہ لیتے اور اکثر پہلا انعام جیتتے، لیکن جب سے فرح ہمارے سکول میں آئی تھی، ہماری اہمیّت کم ہوگئی تھی۔ اب وہ ہم سے بازی لے جاتی اور پہلا انعام ہمیشہ اس کا ہوتا۔ ہم نے لاکھ کوشِش کی کہ کسی طرح فرح کو ہرا سکیں، مگر توبہ کیجیے وہ ہارنے والے دن ہی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ ہر دفعہ ہمیں مُنہ کی کھانا پڑتی۔

اس دفعہ بھی سکول میں ڈرامے کا اہتمام ہو رہا تھا۔ جب ہمیں ایک سہیلی نے بتایا کہ فرح نے جنگلی لڑکی کا پارٹ لیا ہے۔ تو ہم نے اپنے لیے پاگل لڑکی کا کردار چُن لیا۔ ڈرامے میں شامل ہونے کی ہمیں جتنی خُوشی تھی اس سے زیادہ افسوس اس بات کا تھا کہ فرح ایک دفعہ پھر پہلا انعام لے گی اور ہم چاہے کِتنی ہی کوشِش کر لیں دوسرے اِنعام سے آگے نہیں بڑھ سکیں گے۔

اتیں

شہید ہے۔
بوی)
(کنفیوشس)
ن ہے جس
طرح آسمان کی
صدیق)
د)
طالعہ ضروری ہے۔
پڑتی ہے لیکن
نے سے بڑھتا
دوسروں کو
ب۔ فیصل آباد)

جُوں جُوں تاریخ نزدیک آتی گئی، اس بارے میں ہماری بے چینی بڑھتی گئی۔ ان دنوں کلاس میں بھی یہی چرچا رہتا تھا۔ سب لڑکیوں کو یقین تھا کہ فرح پہلا انعام حاصل کرے گی۔ اس لیے وہ اُس کے گرد اکٹھی ہوئی رہتیں۔ ہم جلنے اور کُڑھنے کے سوا کچھ نہ کرسکتے۔

ڈرامے کے دن ہم صبح صبح خوب تیار ہو کر سکول پہنچے۔ سٹیج وغیرہ تیار کرنا ہم لوگوں کے ذمّے تھا۔ ہم نے کھیل میں حصّہ لینے والی لڑکیوں کی لسٹ دیکھی تو سب سے پہلا کردار فرح کا تھا اور اس کے بعد ہمارا نام تھا۔ فرح ابھی تک سکول نہیں آئی تھی۔ اس کی غیر حاضری کی وجہ سے ہمیں ایک ترکیب سُوجھی، جس پر عمل کر کے ہم نہ صرف پہلا انعام حاصل کر سکتے تھے، بلکہ فرح سے ایسا بدلہ لے سکتے تھے کہ اُسے عرصے تک یاد رہتا۔

ہم نے جلدی جلدی اپنی سہیلیوں کو ساتھ لے کر سٹیج لگانا شروع کر دیا۔ ہمارا ارادہ یہ تھا کہ سٹیج بناتے وقت درمیان میں ایک میز کی جگہ خالی چھوڑ دیں گے۔ قالین اور چادریں وغیرہ بچھی ہونے کی وجہ سے کسی کو پتا نہیں چل سکے گا کہ بیچ میں جگہ خالی ہے۔ پہلا نمبر فرح کا ہے، جب وہ جنگلی لڑکی بن کر اُچھلتی کُودتی سٹیج پر آئے گی تو خالی جگہ پہنچتے ہی دھم سے نیچے گرے گی۔ اس طرح ایک تو اُسے پہلا انعام نہیں مل سکے گا، دُوسرے خوب چوٹیں آئیں گی۔

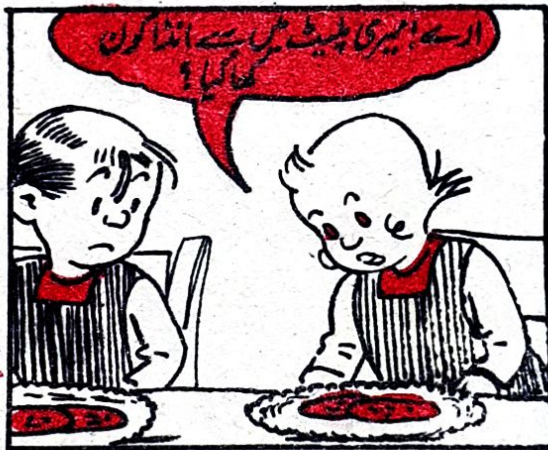
ہم اپنی کارروائی پر بہت خوش تھے لیکن جب ڈرامہ شروع ہوا تو سب سے پہلے ہمارا نام پُکارا گیا۔ اب تو ہمارے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ لیکن کیا ہو سکتا تھا! مجبوراً سٹیج پر گئے اور اپنا کردار شروع کیا۔ ہر وقت یہی خطرہ تھا کہ اب گرے کہ اب گرے۔ قالین اور چادروں کی وجہ سے ہمیں خود بھی پتا نہیں چلتا تھا کہ میز کہاں نہیں ہے۔ تعجّب کی بات یہ ہوئی کہ ہم نے اپنا پارٹ پورا

کر لیا مگر گرنے سے بچے رہے۔ ہم بہت حیران تھے کہ یہ کیوں کر ہوا۔

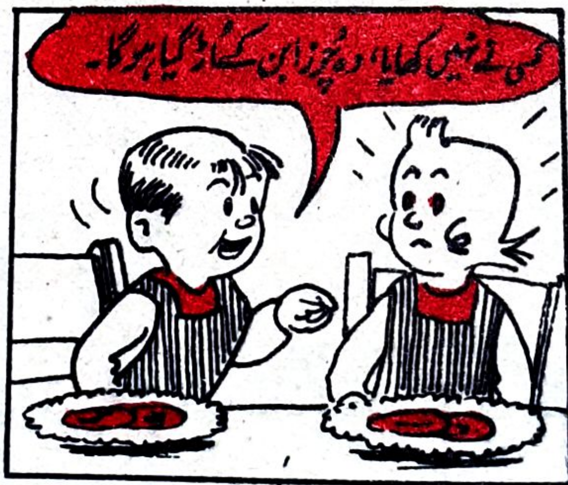
فرح ڈرامے میں نہیں آئی۔ ڈرامے کے بعد ہم نے پتا کیا تو معلوم ہوا کہ وہ سکول آئی تھی مگر چھٹی لے کر چلی گئی۔ اُسے ہماری سکیم کا علم ہو گیا تھا اور اس نے جانے سے پہلے خالی جگہ پر میز لگوا کر سٹیج ٹھیک کر دیا تھا۔ ہم شرم سے پانی پانی ہو گئے۔

ہمیں پہلا انعام مل گیا، لیکن سچی بات یہی تھی کہ اس انعام کی اصل حق دار فرح تھی۔ اس نے ڈرامے میں حصہ نہ لینے کا فیصلہ کر کے اپنا انعام ہمیں دلوا دیا تھا۔ اس کردار نے ہمیں ہمیشہ کے لیے ہرا دیا۔

ہم نے فرح سے مل کر معافی مانگی اور دل سے اس کی برتری تسلیم کر لی۔ اب وہ ہماری سب سے پیاری سہیلی ہے۔







پوچھیے



س : کہتے ہیں وقت پڑنے پر گدھے کو باپ بنانا پڑتا ہے اگر وہ باپ بننے سے انکار کر دے تو ؟
(تہمینہ افزا ۔ شیخو پورہ)

ج : تو صبر کرنا پڑے گا۔

س : خوابوں کا شہر کس شہر کو کہا جاتا ہے ؟
(رضوانہ ممریز ۔ راولپنڈی)

ج : ہر شہر، وہاں بسنے والوں کے لیے خوابوں کا شہر ہوتا ہے۔ آپ جسے مرضی کہہ لیں۔

س : گراہم بیل نے کتنی عمر میں وفات پائی ؟
(رضوانہ پروین ۔ جہلم)

ج : تقریباً 75 برس، 1847ء میں پیدا ہوئے تھے اور 1922ء میں وفات پائی۔

س : دُنیا میں کل مسلم اور غیر مسلم ممالک کتنے ہیں ؟
(محمد تسنیم یوسف ۔ کراچی)

ج : دُنیا میں چھوٹے بڑے 166 ممالک ہیں، جن میں سے اقوام متحدہ کے ممبر 152 ہیں۔ مُسلم آبادی کی اکثریت والے ممالک کی تعداد 43 ہے۔

س : گھڑی کس نے ایجاد کی ؟
(عاطرہ حمید ۔ گلگت)

ج : کس قسم کی گھڑی ؟ کئی قسم کی گھڑیاں مختلف زمانوں میں ایجاد کی گئی ہیں اور کی جا رہی ہیں۔

س : کیا کہانی بھیجتے وقت نیچے

اپنا نام لکھنا چاہیے ؟
(محمّد علی جہانگیر۔ کراچی)

ج : ضرور لکھیے ، بلکہ پتا بھی لکھیے بشرطیکہ کہانی آپ نے خود لکھی ہو، نقل نہ کی ہو۔

س : انکل آپ کا نام کیا ہے ؟
(ارم ایاز۔ کوئٹہ)
(مزمّل صلاح الدّین۔ لاہور)

ج : رشید اکبر۔

س : جب آپ چھوٹے تھے تو کون سا رسالہ شوق سے پڑھتے تھے ؟
(شمائلہ گیلانی)

ج : جو مل جائے۔

س : چاند پر پہنچنے والے پہلے شخص کا نام بتائیے ؟
(انیلا ابراہیم۔ کراچی)

ج : امریکی خلاباز آرم سٹرانگ ، ایلڈرن اور مائیکل کولنز سب سے پہلے چاند پر پہنچے۔ پہلے آرم سٹرانگ نے چاند کی زمین پر قدم رکھا۔ اُس کے پندرہ منٹ بعد ایلڈرن چاند پر اُترا۔ مائیکل کولنز خلائی جہاز پر چاند کے گرد چکّر لگاتا رہا۔

س : دُوسری جنگ عظیم کب شروع ہوئی اور کب ختم ہوئی ؟
(رانا مسرور منصب۔ فیصل آباد)

ج : 1939ء میں شروع ہوئی اور 1945ء میں ختم ہوئی۔

س : آپ نے کبھی نیکی کر کے دریا میں ڈالی ہے ؟
(عیلیٰ احساق۔ لاہور)

ج : یاد نہیں۔

س : دُنیا میں سب سے زیادہ پٹ سن کس مُلک میں ہوتی ہے ؟
(وقار منصب۔ فیصل آباد)

ج : بنگلہ دیش میں۔

س : اس سال سال نامہ نکالنے کا ارادہ ہے یا نہیں ؟
(شمسہ احسان۔ لاہور)

ج : ارادہ تو ہے۔

س : آج کل لوگ محبّت کا جواب نفرت سے کیوں دیتے ہیں ؟
(جاوید احمد زاہد۔ ڈیرہ غازیخاں)

ج : اچھے لوگ ایسا نہیں کرتے۔





دل چسپ اور عجیب

پندرہ منٹ کا بادشاہ :

فرانس کا بادشاہ لوئیز چہار دہم 2 اگست 1830ء کو صرف پندرہ منٹ کے لیے بادشاہ بنا۔ کسی بادشاہ کا دنیا بھر میں اب تک یہ سب سے کم دورِ حکومت ہے۔ (مسعود احمد صدّیقی۔ لودھراں)

پیٹ کی تجوری :

برطانیہ میں پیٹ درد کے ایک مریض کا ایکس رے لیا گیا تو ڈاکٹر یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اُس کے پیٹ میں بہت سے سکّے جمع ہیں۔ جب اس کا آپریشن کیا گیا تو اس کے پیٹ سے چار سو پچیس چھوٹے بڑے سکّے نکلے۔ (نصیر احمد عبّاسی۔ منگلا کینٹ)

ترقّی :

1700ء میں امریکا میں صرف ایک اخبار نکلتا تھا، مگر اب اس ملک

میں اتنے اخبار نکلتے ہیں کہ ان کی تعداد انگلستان، فرانس اور جرمنی جیسے ترقّی یافتہ ممالک سے نکلنے والے اخبارات کی مجموعی تعداد سے زیادہ ہے۔

(فرحت شیریں۔ کوہاٹ)

مہنگا کھلاڑی :

برمنگھم (انگلستان) کی ایک فٹ بال کلب نے اپنے ایک کھلاڑی مسٹر ٹریور فرانسس کے کھیل کو ۱۰ لاکھ پونڈ کے عوض نوٹنگھم فاریسٹ نامی ایک فٹ بال کلب کے حوالے کر دیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کسی کھلاڑی کی تبدیلی کے لیے اتنا معاوضہ پہلے کبھی ادا نہیں کیا گیا۔

غلط مرمّت :

پچھلے دنوں امریکا میں کاروں کی مرمّت سے متعلق شکایتوں کی چھان بین کے لیے ایک کمیٹی قائم کی گئی۔ اس کمیٹی نے کار مرمّت کے ورکشاپوں کا جائزہ لینے کے بعد یہ حیرت انگیز انکشاف کیا کہ ۸۰ فیصد ورکشاپوں میں کار کے معمولی سے معمولی نقص کی مرمّت بھی ٹھیک سے نہیں کی جاتی بلکہ اصل نقص دور کرنے کی جگہ کوئی اور غیر ضروری مرمّت کر دی جاتی ہے۔ اس غلط مرمّت کے لیے امریکی شہریوں کو ہر سال 20 ارب ڈالر ادا کرنا پڑتے ہیں۔

سائیکل چکّی :

پانی یا ہوا سے چلنے والی پن چکّی اور ہوائی چکّی سے تو سب واقف ہیں لیکن برطانیہ کے سائنس دانوں نے آٹا پیسنے کی ایک ایسی مشین ایجاد کی ہے جو سائیکل کی مدد سے چلے گی۔ ہر شخص عام رفتار سے سائیکل چلا کر اس مشین سے کام لے سکتا ہے۔

ہونہار ادیب



قُربانی کا بکرا

عیدُالاضحیٰ قریب تھی اور ہمارے گھر میں قُربانی کی تیاریاں زوروں پر تھیں۔ ابّا جان عید سے ایک ہفتہ پہلے ایک بڑا سا بکرا لائے۔ ہم روزانہ بکرے کو لے کر سیر کو نکلتے اور دُوسرے بکروں سے لڑائیاں کرواتے۔ عید سے دو دن پہلے کی بات ہے، ہم بکرا لے کر گھوم رہے تھے کہ ہمارے سکول کے ایک دوست مل گئے۔ ہم نے ان کو اپنے بکرے کی بہادری کے قصّے سُنانے شروع کر دیے۔ اتنے میں ہمارے قریب کسی شریر لڑکے نے ایک کُتّے کو شاید پتّھر مارا۔ وہ بھاگا اور سیدھا ہمارے بکرے سے آ کر ٹکرا گیا۔ بکرے کو اپنی تعریف غالبًا پسند نہیں آ رہی تھی۔ اس نے اپنی بہادری کا پول فورًا کھول دیا اور کُتّے کے ٹکراتے ہی ایسا بدحواس ہو کر بھاگا کہ ہماری بات ہمارے مُنھ میں رہ گئی۔

ہم دھپ سے گلی میں گر کر بکرے کے پیچھے پیچھے گھسٹنے لگے کیوں کہ اس کی رسّی ہمارے ہاتھ میں تھی، جسے ہم کسی طرح چھوڑنے کو

نیار نہ تھے۔ وہ تو خیریت گزری کہ ہمارے دوست جو پہلے اس حادثے پر بھونچکا سے کھڑے رہ گئے تھے، ہمیں اس مُصیبت میں دیکھ کر جلدی سے سنبھلے اور ہماری مدد کو دوڑے ورنہ بکرا قربانی سے پہلے ہمارا حلیہ ضرور بگاڑ کے رکھ دیتا۔

اس کے بعد عید تک ہم نے اُس بکرے کے قریب جانے کی جرأت نہیں کی۔ (اسید عاصم حسن - کراچی)

تین کا پہاڑا اور ٹی وی:



ہمیں اور ہماری باجی کو جو ہم سے عُمر میں دو سال بڑی ہیں ٹی وی دیکھنے کا بہت شوق ہے۔ عام طور پر ہم دس بجے تک سو جاتے ہیں لیکن جس دن ہماری پسند کا پروگرام ہو تو ہماری آنکھوں سے نیند غائب ہو جاتی ہے۔

ابّا جان یوں تو ہماری پڑھائی میں زیادہ دل چسپی نہیں لیتے۔ مگر کبھی کبھی انھیں خیال آ جاتا ہے اور پھر سمجھیے ہماری شامت آ گئی۔ کیوں کہ اگر وہ ہمیں پڑھانے بیٹھ جائیں تو چھوڑنے کا نام نہیں لیتے۔

ایک دن ٹی وی پر ہماری پسند کا پروگرام آ رہا تھا۔ ہم نے باجی سے مل کر جلدی جلدی امّی جان کے ساتھ گھر کا کام ختم کروا دیا۔ ہماری بدقسمتی کہ ابّا جان کی نظر ہم پر پڑ گئی۔ فوراً حُکم مل گیا کہ سب اپنی کتابیں لے کر پڑھنے آ جائیں۔ ہم ابّا جان کے اس بے وقت حُکم پر بہت تلملائے مگر مُنہ ہی مُنہ میں بڑبڑانے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے

تھے۔ امّی جان کو ہماری حالت پر رحم آگیا۔ انھوں نے کام کا بہانا بنا کر ہماری جان بخشی کروادی۔ مگر ہماری سب سے چھوٹی بہن مُنّی ابّا جان کے قابو آ گئی۔ انھوں نے اسے تین کا پہاڑا یاد کرنے کو دے دیا۔ ہم نے اور باجی نے بہت کوشش کی کہ مُنّی جلدی سے پہاڑا یاد کر لے مگر اسے یاد نہ ہوا۔ ہم بہت جھنجھلائے کہ اب کیا کریں۔ جب تک مُنّی پہاڑا یاد کر کے ابّا جان کو نہ سُنا دیتی، ٹی وی دیکھنے کی اجازت نہیں مل سکتی تھی۔



آخر ہمارے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ ہم نے کاغذ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کاٹے جن پر موٹے حرفوں میں پہاڑا لکھ دیا۔ جب مُنّی ابّا جان کے سامنے گئی تو ہم اُن کے پیچھے جا کر کھڑے ہو گئے اور مُنّی کو پہاڑا دکھاتے گئے۔ جب ہم آٹھ تک پہنچے تو کاغذ کا ٹکڑا ہمارے ہاتھ سے نکل کر ابّا جان کی گود میں گر گیا۔ ہم نے لپک کر اسے اُٹھانے کی کوشش کی تو تمام ٹکڑے گر گئے اور پنکھے کی ہوا سے تین کا پہاڑا پورے کمرے میں اُڑنے لگا۔ ہم نے گھبراہٹ میں سر پیٹ لیا۔ پہلے تو ابّا جان کچھ نہ سمجھے اور حیرت سے کاغذ کے اُڑتے ہوئے پُرزوں کو گھورنے لگے، لیکن جب انھیں ہماری حرکت کا پتا چلا تو بہت خفا ہوئے۔ کئی ہفتے ہمیں ٹی وی کے قریب جانے کی اجازت نہ ملی۔

(گُلناز ولی۔ لاہور)



پچھلے سال :

آٹھویں جماعت کے سالانہ امتحان سے پہلے میں بیمار ہو گئی۔ ٹائی فائڈ بخار ہو گیا تھا۔ ٹھیک ہونے پر بھی بہت کمزوری محسوس ہوتی تھی اور ہمت جواب دے گئی تھی۔ باقی مضمون تو میں ساتھ ساتھ تیّار کرتی رہی تھی لیکن ریاضی کی طرف پُوری توجہ نہ دے سکی تھی، یُوں بھی میں ریاضی میں کمزور ہُوں۔ بہت پریشانی تھی، یہی ڈر تھا کہ کہیں فیل نہ ہو جاؤں۔ اُٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، کھاتے پیتے یہی فکر لگا رہتا اور میں اللہ میاں سے دُعائیں مانگتی رہتی۔ آخر امتحان سر پر آ گیا۔

جس دن حساب کا پرچہ تھا اُس سے ایک دن پہلے میں بہت پریشان تھی۔ رات کو سوئی تو خواب میں کیا دیکھتی ہُوں کہ امتحان کا کمرا ہے اور پرچہ میرے سامنے ہے۔ میں سوالات کو پڑھ رہی ہُوں صُبح میں نے ذہن پر زور ڈالا تو پُورا خواب ذہن میں محفُوظ تھا۔ میں نے خواب والے سوالوں کی خُوب مشق کی کہ آ گئے تو کر دُوں گی ورنہ اللہ مالک ہے۔



امتحان میں جب میں نے پرچہ دیکھا تو حیران رہ گئی۔ اکثر سوالات وہی تھے جو میں نے خواب میں دیکھے تھے۔ اس طرح میں اللہ میاں کی مدد سے امتحان میں بڑے اچھّے نمبروں سے پاس ہو گئی۔

(سمیرا الطاف۔ فیصل آباد)

ہماری بہادری

ایک دن ہمارے ابّا جان اور امّی پھوپھی جان کے ہاں رات کے کھانے پر گئے۔ ہم تینوں بھائی بہت شریر ہیں۔ اس لیے انھوں نے ہمیں ساتھ لے جانے کے بجائے گھر میں رہنے کا حکم دیا۔ ہم نے ساتھ جانے کے لیے بڑا زور مارا لیکن ابّا جان نے ایک نہ سُنی اور گھر کا خیال رکھنے اور شرارتیں بالکل نہ کرنے کا حکم دے کر چلے گئے۔

ان کے جانے کے بعد ہم نے باہر کے دروازے کی کُنڈی لگائی پلنگوں کے نیچے اچھّی طرح دیکھا کہ کہیں کوئی چھُپا نہ بیٹھا ہو اور اچھّی طرح تسلّی کرنے کے بعد لحافوں میں گھُس گئے۔



سردیوں کی رات تھی، باہر ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی، ہمیں کچھ خوف محسوس ہونے لگا۔ پھر باقاعدہ ڈر لگنے لگا۔ اگر باہر پتّا بھی ہلتا تو ہمارا دل اُچھل کر حلق میں آجاتا۔ یہی حالت تھی کہ کسی نے باہر گلی کا دروازہ کھٹ کھٹایا۔ ہم نے سوچا کہ شاید امّی اور ابّا جان ہوں، لیکن انھیں گئے تو تھوڑی دیر ہی گزری تھی۔ یہ سوچ کر پسینے چھُوٹ گئے کہ ضرور کوئی چور، ڈاکو وغیرہ ہے۔ دروازہ پھر کھٹ کھٹایا گیا۔ اب تو ہمارا بُرا حال ہوگیا۔ دونوں بھائی سو چکے تھے اور ہم دم سادے بیٹھے تھے۔

کچھ دیر رُک کر دروازہ زور زور سے کھٹ کھٹایا جانے لگا، لیکن ہم میں تو ہلنے کی سکت نہ تھی۔ کافی دیر تک دروازہ پیٹا جاتا

رہا اور ہم اندر دم سادھے بیٹھے، جل تو جلال تو پڑھتے رہے۔ نیند کا سوال ہی نہ تھا، ایک ایک گھڑی گن کر گزاری۔ خدا خدا کر کے ابّا جان آئے اور انھوں نے دروازہ کھٹ کھٹاتے کے ساتھ آواز دی تو ہماری جان میں جان آئی۔ ہم نے یہ واقعہ ان کو نہ بتایا کیوں کہ اس طرح ہماری بہادری پہ حرف آ رہا تھا۔

دوسرے دن صبح میاں چنّوں سے ہمارے ماموں جان تشریف لائے۔ انھوں نے بتایا کہ وہ رات آئے تھے لیکن کافی دیر دروازہ کھٹ کھٹانے کے باوجود کسی نے دروازہ نہ کھولا تو انھیں مجبوراً واپس جا کر ایک ہوٹل میں رات گزارنا پڑی۔ یہ سنتے ہی ہمارے اوسان خطا ہوئے۔ اُدھر ابّا جان کو بہت غصّہ آیا اور انھوں نے ہمیں بہت بُرا بھلا کہا۔ ستم ظریفی یہ کہ ہماری بہادری کا چھوٹے بھائیوں پر جو تھوڑا بہت رعب تھا وہ بھی ختم ہو گیا اور اب وہ ہمارا مذاق اُڑاتے ہیں۔ (احمد امیر پاشا۔ خانیوال)



قصّہ ایک ترکیب کا:

اکثر لڑکوں کو کہانیاں اور جاسوسی ناول پڑھنے کا شوق ہوتا ہے۔ ہمیں بھی رسالے، کہانیاں وغیرہ پڑھنے کا بہت شوق ہے۔ ہمیں اور ہمارے دوست ندیم واسطی کو آئے دن یہ ڈانٹ پڑتی ہے کہ ہر وقت کہانیاں پڑھتے رہتے ہو امتحان سر پہ ہیں اور تمھیں کچھ ہوش نہیں۔ اگر ہم گھر والوں سے یہ کہیں کہ جناب امتحان تو پچھلے ہفتے ختم ہوئے ہیں تو جواب ملتا ہے: بڑوں سے زبان چلاتا ہے

نالائق! ساتھ ہی ایک زور دار تھپیٹر پڑتا ہے۔

ایک دن ہم ایک دوست سے مانگ کر نیا جاسوسی ناول لائے۔ ابھی پڑھنا شروع ہی کیا تھا کہ امّی جان کی کڑکتی ہوئی آواز سُنائی دی "آفتاب! ارے آفتاب!" امّی جان کی آواز سُنتے ہی پہلا خیال ہمیں یہ آیا کہ ناول کہاں چُھپائیں۔ ابھی ہم کچھ سوچ بھی نہ پائے تھے کہ امّی جان کمرے میں آ گئیں اور ہمارے ہاتھ میں کتاب دیکھتے ہی چلّائیں "ارے کم بخت! پھر ناول پڑھ رہا ہے؟" ساتھ ہی دو دھماکے ہُوئے۔ دھائیں.... دھائیں۔ یہ امّی جان کے دو تھپیڑ تھے جن سے ہمیں دن میں تارے، چاند، مریخ وغیرہ بہت کچھ دکھائی دیا۔



ہم فوراً چارپائی سے چھلانگ لگا کر ندیم کے گھر کی طرف بھاگے۔ وہ بھی دوڑتے ہوئے ہمارے گھر کی طرف آ رہے تھے اُن کے ساتھ بھی وہی حادثہ پیش آیا تھا جو ہمارے ساتھ۔

ہم دونوں نے اپنا اپنا دُکھ بیان کرنے کے بعد آیندہ کے لیے یہ رستہ نکالا کہ جوں ہی کسی کی آہٹ پائیں ہاتھ کی کتاب فوراً بستر کی چادر کے نیچے چھُپا دیں۔

یہ فیصلہ کر کے ہم مُطمئن ہو گئے۔ اگلے دن ہم پھر ایک کتاب مانگ کر لائے اور پڑھنے لگے۔ ابھی ہم نے پہلا صفحہ ہی کھولا تھا کہ قدموں کی آواز آئی۔ کوئی ہمارے کمرے کی طرف آ رہا تھا۔ ہم نے کتاب فوراً بستر کی چادر کے نیچے رکھ دی۔ اتنے میں امّی جان کمرے میں داخل ہوئیں اور کہنے لگیں "تمھارے بستر کی چادر بہت میلی ہو رہی ہے، لاؤ دھو دُوں۔" اس سے پہلے کہ معاملے

کی نزاکت ہم پر پوری طرح واضح ہوتی انھوں نے چادر اُٹھا دی "ارے ناول...... !" امّی جان چادر کے نیچے کتاب دیکھتے ہی چلائیں ہم گھبرا کر باہر کی طرف دوڑے۔ دروازے میں ہمارے چھوٹے بھائی، جو شاید آئس کریم کے لیے امّی جان سے پیسے لینے اُن کے پیچھے آئے تھے، ہم سے ٹکرا گئے اور انھوں نے اپنا باجا نما الارم بجانا شروع کر دیا۔ شور سُن کر بھائی جان بھی آگئے۔ امّی جان چلائیں : "پکڑو.... !" اور بھائی جان نے ہمیں پکڑ کر امّی کے حضور پیش کر دیا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ بتانا ہمارے لیے مناسب نہیں۔

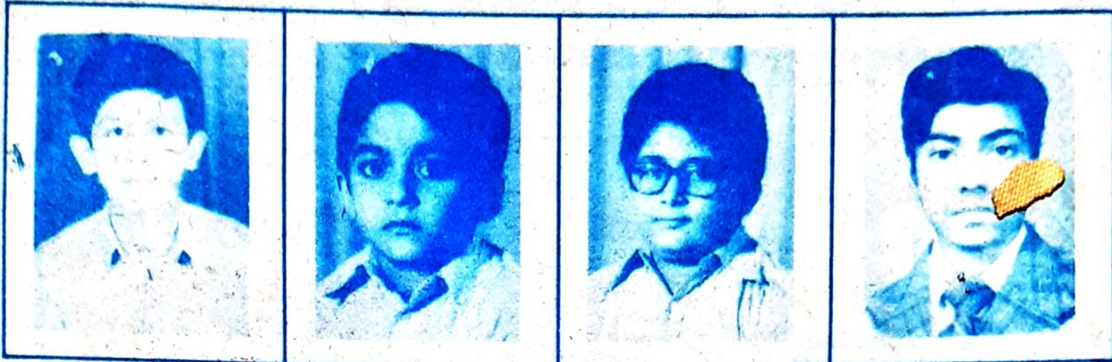
اس صورتِ حال سے تنگ آکر ہم نے تو کہانیاں وغیرہ پڑھنا ہی چھوڑ دیا ہے۔ صرف تعلیم و تربیت ہی پڑھتے ہیں، کیوں کہ اس کے پڑھنے پر مار نہیں کھانا پڑتی۔ (محمد آفتاب عالم خان۔ کراچی)

نانی امّاں :

پچھلے دنوں ہماری نانی امّاں ہمارے ہاں آئی ہوئی تھیں کہ ایک دن ابّا جان بازار سے کبوتروں کا ایک خوب صورت جوڑا لائے۔ ایک کبوتر کے پروں کا رنگ سُرخی مائل تھا۔ دوسرا کبوتر بالکل سفید رنگ کا تھا۔ ہمیں وہ کبوتر بہت پیارے لگے اور ہم نے ان کے رنگوں کے حساب سے الگ الگ نام رکھ دیے۔

اگلے دن شام کے بعد سب بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ ہمارے پاس ہی نانی امّاں بیٹھی پان کھا رہی تھیں کہ اچانک لائٹ چلی گئی۔ باجی کہنے لگیں : "معلوم ہوتا ہے فیوز اُڑ گیا۔"

"کون سا بیٹی ! وہ لال والا ؟" نانی امّاں نے معصومیت سے پوچھا۔ یہ سُن کر ہنستے ہنستے ہم لوگ خود لوٹن کبوتر معلوم ہونے لگے۔ (نبیلہ ناز ملک۔ بہاولپور)



محمد اسلام - لاہور | خضر امین - سعودی عرب | بدر امین - سعودی عرب | وقار عالم - جدون



نام نہیں لکھا | سید عارف عالم - کراچی | شاہانہ زمان - لاہور | فرحانہ زمان - لاہور



غلام محمد نعیم - جمال دین والی | محمد اشرف - کراچی | ندیم احمد - موہڑہ بگھڑیال | آفتاب عالم خان - کراچی



ایم فیاض انجم - ملتان | محمد نزاکت علی - کراچی | شاہ روشن - کراچی | ندیم واسطی - کراچی

R.L. No. 4756 Phone: 65196

The TALEEMO-TARBIAT Lahore

Pakistan's most widely read Urdu Magazine for Children of all ages